ماہنامہ جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

جلد نمبر 34... شمارہ نمبر 09... ستمبر 2026

Registered No. CPL-13

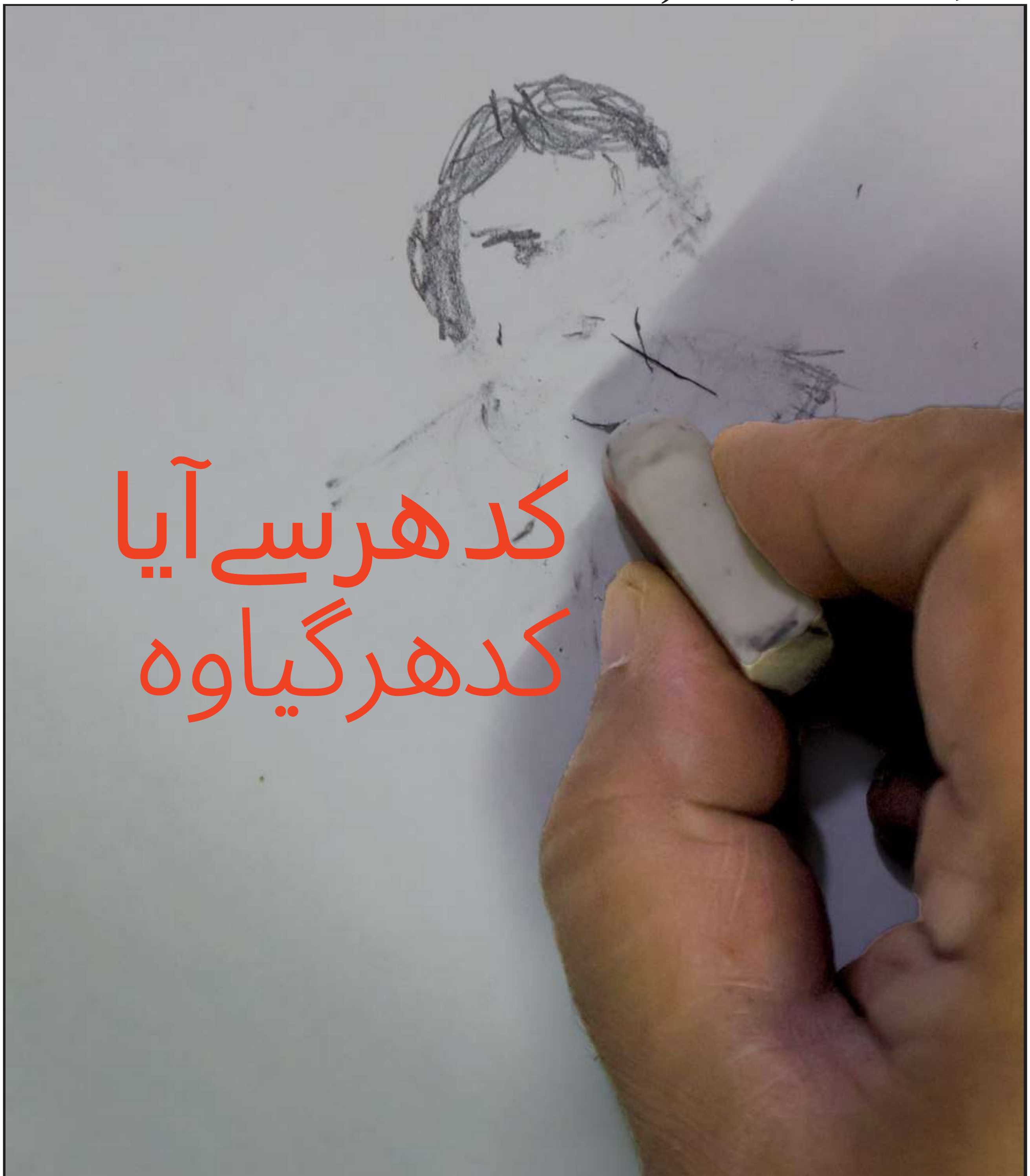

ایچ آر سی پی شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص سیل موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔ اس وقت سے، ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ ہم جونہی خواتین کے خلاف تشدد، محکمہ جاتی مسائل، اقلیتوں کے حقوق، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔ تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار

جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ ہمارا بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

ہم سے رابطہ کریں

اگر آپ نے کوئی شکایت درج کرانی ہے تو ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔
آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور	کراچی	پشاور
ایوان جمہور۔ 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600 فون : +92 42 3586 4994, 3583 8341, 3586 5969 ای میل : hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org مرکز شکایات سیل فون : +92 042 3584 5969 موبائل : + 92 0333 200 6800 ای میل : complaints@hrcp-web.org	یونٹ نمبر 08، فلور 1 سٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (الاکو ہاؤس) عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی۔ 74400 فون : +92 21 3563 7131, 3563 7132 شکایت سیل (موبائل) : +92 315 111 6287 ای میل : karachi@hrcp-web.org	303-TF، ڈینز پلازہ، بالمقابل سٹیٹ بینک آف پاکستان، صدر، پشاور فون : +92 091 527 6909 موبائل: 0318 950 0640 شکایت سیل (موبائل) : +92 0318 950 0640 ای میل peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد	کوئٹہ	حیدر آباد
آفس 1-B، فلور 2 بلاک ڈی-12، (اوپر فیصل بینک) جی 8، مرکز، اسلام آباد فون : +92 51 835 1127 شکایات سیل (موبائل) : +92 333 569 4773 ای میل : islamabad@hrcp-web.org	فلیٹ نمبر C-6 کبیر بلڈنگ ایم۔اے جناح روڈ، کوئٹہ فون : +92 81 282 7869 شکایات سیل (موبائل) +92 306 294 6125 ای میل : quetta@hrcp-web.org	306- فائزہ آرکیڈ، (لوفٹ اینڈ میزانائن فلور) نزد مسجد حاجی شاہ بخاری درگاہ صدر کنٹونمنٹ، حیدر آباد فون : +92 22 278 3688, 720 770 فیکس : +92 22 278 4645 شکایات سیل (موبائل) : +92 310 339 2222 ای میل : hyderabad@hrcp-web.org

ملتان	گلگت	تربت/مکران
2511/5A ابدالی کالونی نزد بریٹین سکول ملتان فون : +92 61 451 7217 شکایات سیل (موبائل) : +92 331 665 5529 ای میل : multan@hrcp-web.org	آفس نمبر 8-9، رانگ ٹیل پلازہ جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد کالونی، جتیال، گلگت موبائل : +92 0344 547 5553 شکایات سیل (موبائل) : +92 355 454 1088 ای میل : gilgit@hrcp-web.org	پرواز ہاؤس، بالمقابل علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی پسنی روڈ، تربت، کیچ فون : +92 852 413 365 شکایات سیل (موبائل) : +92 323 234 2406 ای میل : turbat@hrcp-web.org

فہرست

پریس ریلیزیں 03

لاہور میں پولیس کی زیرِحراست اموات 05

آزادیِ صحافت اور مشکل حالات پر سیمینار 08

آزاد جموں و کشمیر میں شہری آزادیوں
پر بڑھتی ہوئی پابندیاں 10

خاموشی تکلیف دہ ہے: انسانی حقوق کے نظام کے
ذریعے کام کی جگہ پر ہراسانی کا تدارک 13

توہینِ مذہب کے الزامات میں اضافہ، گلگت بلتستان
میں امن اور بقائے باہمی کے لیے بڑھتا ہوا چیلنج 14

دنیا کا امن، عالمی سازشوں کے نرغے میں 15

حب بارڈر پر روزانہ ٹریفک جام کا مسئلہ 16

جانیے اقوام متحدہ اے آئی کے ذریعے کیسے انسانی
حقوق پروان چڑھا رہی ہے؟ 17

موسمیاتی خطرے کی گھنٹی ہر سمت سے بج رہی ہے:
سائمن سٹیل 18

ایچ آر سی پی کی گول میز کانفرنس کا آزادیِ اظہار کے دفاع کے لیے وسیع تر اتحاد قائم کرنے پر زور

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے زیرِ اہتمام آج منعقد ہونے والی گول میز کانفرنس میں پاکستان بھر سے صحافیوں، مدیران، ڈیجیٹل میڈیا سے وابستہ افراد، فنکاروں، ماہرینِ تعلیم اور انسانی حقوق کے کارکنوں نے آزادیِ اظہار پر بڑھتے ہوئے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک وسیع قومی اتحاد قائم کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

یورپی یونین کے تعاون سے منعقد ہونے والی اس گول میز کانفرنس میں ذرائع ابلاغ اور انسانی حقوق کے شعبے سے وابستہ نامور شخصیات نے شرکت کی، جن میں ناصر زیدی، اظہر عباس، وسعت اللہ خان، حسین نقی، سلیمہ ہاشمی، ضرار کھوڑو، سہیل سانگی، ڈاکٹر توصیف احمد، عنبر رحیم شمسی، فرزانہ علی، اویس توحید، شہزاد جیلانی، شہزادہ ذوالفقار، منزہ صدیقی، عامر سہیل، مہمل سرفراز، اکبر نوتیزئی، اسد طور، ابسا کومل، فاضل جمیلی، وقاص عالم، رستم علی، عدنان رحمت، فرح ضیا، حارث خلیق اور ایچ آر سی پی کے چیئر پرسن اسد اقبال بٹ شامل تھے۔

شرکا نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ پاکستان گزشتہ کئی دہائیوں کے دوران آزادیِ اظہار کے حوالے سے اپنے بدترین بحرانوں میں سے ایک کا سامنا کر رہا ہے۔ انہوں نے الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کے ایکٹ (پیکا) جیسے قوانین کے بے لگام استعمال، بڑھتی ہوئی سنسر شپ، کڑی نگرانی، آن لائن اظہارِ رائے پر من مانی پابندیوں، معلومات تک محدود رسائی، صحافیوں کی ہراسانی اور دھونس و دھمکیوں کے واقعات، اور آزاد، علاقائی و ڈیجیٹل میڈیا پر بڑھتے ہوئے دباؤ کی نشاندہی کی۔ ان کا خاص طور پر کہنا تھا کہ اظہار کی آزادی پر عائد یہ قدغنیں اب صرف صحافیوں تک محدود نہیں رہیں بلکہ ان عام شہریوں کو بھی متاثر کر رہی ہیں جو اظہارِ رائے کے اپنے آئینی حق کو استعمال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ صورتِ حال شہری آزادیوں، جمہوری عمل میں شرکت اور معلومات تک رسائی کے بنیادی حق کے لیے سنگین خطرہ ہے۔

مجوزہ اتحاد میں صحافتی یونینوں، پریس کلبوں، آزاد پیشہ ور اور ڈیجیٹل صحافیوں، وکلا، فنکاروں، سول سوسائٹی کی تنظیموں اور دیگر جمہوری قوتوں کو شامل کیا جائے گا۔ یہ اتحاد آزادیِ اظہار کے دفاع کے لیے ایڈووکیسی، اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی، واقعات کی دستاویز سازی، فوری ردِعمل کے نظام اور عوام کو متحرک کرنے کے لیے باہمی تعاون کو فروغ دے گا۔

شرکا نے اصلاحات کے ایک مشترکہ ایجنڈے پر بھی اتفاق کیا۔ انہوں نے ایسے قوانین، ضوابط اور انتظامی اقدامات کو منسوخ یا ان میں ترمیم کرنے کا مطالبہ کیا جو اختلافِ رائے کو جرم قرار دیتے، آن لائن اظہار کو محدود کرتے یا سنسر شپ کو ممکن بناتے ہیں۔ انہوں نے صحافیوں پر حملوں، جبری گمشدگیوں، قتل، دھمکیوں اور ہراسانی کے واقعات میں مکمل محاسبے اور قانونی کارروائی سے استثنیٰ کے خاتمے کا مطالبہ بھی کیا، جبکہ ادارتی آزادی کو سیاسی، تجارتی اور ادارہ جاتی مداخلت سے تحفظ کے لیے مؤثر ضمانتوں کی فراہمی پر زور دیا۔

کانفرنس میں خواتین صحافیوں کے لیے محفوظ، باوقار اور مساوی مواقع پر مبنی ماحول پیدا کرنے کی ضرورت پر بھی خصوصی زور دیا گیا، جبکہ آزاد پیشہ ور اور ڈیجیٹل میڈیا سے وابستہ کارکنوں کو بھی مساوی قانونی اور پیشہ ورانہ تحفظ فراہم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ شرکا نے صحافتی یونینوں، انجمنوں اور پریس کلبوں پر زور دیا کہ وہ ذرائع ابلاغ کے بدلتے ہوئے منظرنامے کے تقاضوں کے مطابق اپنے کام میں جدت لائیں اور صحافیوں کو قانونی معاونت، اجتماعی نمائندگی اور ہنگامی حفاظتی سہولیات فراہم کریں۔ ذرائع ابلاغ کے اداروں سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ منصفانہ اجرت، ملازمت کے تحریری معاہدے، انشورنس اور کام کے محفوظ حالات کو یقینی بنائیں۔ پاکستان کے تنوع کو مدنظر رکھتے ہوئے، شرکا نے اس بات پر بھی زور دیا کہ آزادیِ اظہار کے دفاع کی جدوجہد میں ملک کے تمام صوبوں اور خطوں کے مخصوص زمینی حقائق کی عکاسی ہونی چاہیے تاکہ علاقائی آوازوں اور شہری آزادیوں کو یکساں طور پر تحفظ حاصل ہو۔

[پریس ریلیز۔ کراچی۔ 19 اگست 2026]

جبری گمشدگیوں کا سلسلہ ختم کیا جائے

بین الاقوامی قانون کے تحت، جبری گمشدگی کو انسانیت کے خلاف جرم شمار کیا جاتا ہے۔اس کے باوجود، پاکستان میں خاندان اپنے پیاروں کے مستقبل کے بارے میں غیر یقینی، خوف اور بے جواب سوالات کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ جبری گمشدگی کے متاثرین کے اس بین الاقوامی دن پر، ایچ آر سی پی ریاست سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تمام متاثرین کو محفوظ اور فوری طور پر بازیاب کرائے، آئینی تقاضوں اور منصفانہ سماعت کو یقینی بنائے، جبری گمشدگی کو جرم قرار دے، اور تمام ذمہ داروں کا احتساب کرے۔

پاکستان کو جبری گمشدگی سے تمام افراد کے تحفظ کے بین الاقوامی معاہدے (ICPPED) کی توثیق بھی کرنی چاہیے، جبری گمشدگیوں سے متعلق غیر مؤثر تحقیقاتی کمیشن کی از سرِنو تشکیل کرنی چاہیے، متاثرین اور ان کے خاندانوں کو ازالہ فراہم کرنا چاہیے، اور جبری یا غیر اختیاری گمشدگیوں پر اقوامِ متحدہ کے ورکنگ گروپ کے دورے کے لیے سہولیات فراہم کرنی چاہئیں۔ جوابدہی کے بغیر کوئی گمشدگی منظور نہیں۔ ہر خاندان کو جواب ملنا چاہیے۔

[ٹویٹ -30اگست 2026]

ایچ آر سی پی مشن آزاد جموں وکشمیر میں فوری اور جامع سیاسی مذاکرات کا مطالبہ کرتا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے آزاد جموں و کشمیر کا دورہ کرنے والے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن نے خطے میں حالیہ بے چینی کی وجہ ادارہ جاتی عدم اعتماد، اظہارِ رائے اور رابطوں پر وسیع پابندیوں، اور ریاست کے جارحانہ ردِعمل (بشمول طاقت کے بیجا استعمال) کو قرار دیا ہے۔ مجموعی طور پر ان اقدامات نے فاصلوں کو بڑھایا اور عوام کے اعتماد کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

مشن کو تشدد کے پیمانے، جموں کشمیر جوائنٹ عوامی ایکشن کمیٹی (JAAC) کے احتجاجی طریقوں اور سیکیورٹی فورسز کے رویے کے بارے میں متضاد اطلاعات ملیں۔ اس کے باوجود، سیاسی اور سماجی حلقوں کے تمام فریقین—بشمول جاک کے حامی و مخالفین اور سیاسی رہنما—اس بات پر متفق نظر آئے کہ بنیادی تنازع کا حل طاقت کے استعمال کے بجائے سیاسی مذاکرات کے ذریعے ہونا چاہیے۔

مشن نے مظاہرین کے خلاف جان لیوا اور شدید طاقت کے استعمال کے الزامات پر خاص تشویش کا اظہار کیا۔ اس کے علاوہ جاک کے کم از کم 147 کارکنوں کے نام فورتھ شیڈول میں شامل کرنے اور سیاسی اختلافِ رائے رکھنے والوں کے خلاف انسدادِ دہشت گردی کی قانون سازی کے استعمال پر بھی تحفظات ظاہر کیے۔ کارکنوں اور صحافیوں کی گرفتاریوں، اور سرکاری حکام و جاک کے حامیوں دونوں کی جانب سے صحافت پر ڈالے جانے والے دباؤ نے شہریت اور شہری آزادیوں کے دائرے کو مزید محدود کر دیا ہے۔

باغ میں انتخابی عمل کا جائزہ لیتے ہوئے، مشن کو پولنگ اسٹیشنوں پر ووٹروں کے ساتھ کسی قسم کے منظم جبر یا تشدد کے بہت کم ثبوت ملے۔ مشن کے مطابق کچھ علاقوں میں کم ٹرن آؤٹ رکاوٹوں کی بجائے رضاکارانہ بائیکاٹ اور مایوسی کا نتیجہ تھا۔ تاہم، سیکیورٹی کی بھاری نفری، مواصلاتی پابندیوں، مرحلہ وار پولنگ اور کچھ حلقوں میں پولنگ ملتوی ہونے کی وجہ سے انتخابی ماحول کی شفافیت پر خدشات اب بھی برقرار ہیں۔

مشن نے جون 2026 سے اب تک ہونے والی تمام مبینہ ہلاکتوں اور زخمیوں کی آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے، تاکہ شواہد کی بنیاد پر سرکاری حکام اور مظاہرین دونوں کا انفرادی طور پر محاسبہ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ حکومت پر زور دیا گیا ہے کہ وہ تمام گرفتار افراد کے ساتھ قانون کے معین طریقہ کار کے تحت سلوک کو یقینی بنائے، انسدادِ دہشت گردی اور امتناعی حراست کے قوانین کے استعمال پر نظرِ ثانی کرے اور مواصلات و نقل و حرکت پر غیر متناسب پابندیوں کا خاتمہ کرے۔

مشن نے مزید یہ تجویز دی ہے کہ تمام تر شکایات کا ازالہ کرنے کے لیے جاک، سیاسی جماعتوں اور سول سوسائٹی کے ساتھ جامع مذاکرات کیے جائیں۔ طویل المدت حل کے طور پر، خطے کی سیاسی جماعتوں کی جانب سے سیاسی تنازعات کو بڑھنے سے پہلے حل کرنے کے لیے ایک مستقل نظام قائم کرنے کی تجاویز دی گئی ہیں۔ مزید برآں، مشن نے مطالبہ کیا ہے کہ 12 مہاجرین کی نشستوں کی حیثیت کا تعین کرنے کے لیے آئینی و مشاورت پر مبنی عمل شروع کیا جائے اور الیکشن کمیشن 2026 کے انتخابی عمل کا آزادانہ جائزہ لے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 29اگست 2026]

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

☞ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں/ کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☞ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ/اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوانِ جمہور'' 107 -ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدِ حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

لاہور میں پولیس کی زیرِ حراست اموات

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ کا خلاصہ

تعارف

لاہور کے ٹاؤن شپ تھانے میں مبینہ طور پر پولیس حراست کے دوران دو نوجوان خواتین، آمنہ اور انمول کی ہلاکت کا معاملہ پہلی بار 5 اگست 2026ء کو مین اسٹریم میڈیا کے ذریعے سامنے آیا۔ نیوز رپورٹس سے معلوم ہوا کہ ایک مقامی رہائشی کی جانب سے چوری کی شکایت درج کرائے جانے کے بعد ٹاؤن شپ پولیس نے دونوں خواتین کو حراست میں لیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق، تھانے میں ان کی طبعیت شدید خراب ہوگئی جس کے بعد انھیں جناح ہسپتال منتقل کیا گیا، جہاں ان کی موت کی تصدیق کر دی گئی۔

6 اگست کو متعدد اخبارات نے اس واقعے پر پولیس کا موقف شائع کیا، جس میں کہا گیا کہ دونوں خواتین منشیات کی عادی تھیں اور ان کا سابقہ مجرمانہ ریکارڈ موجود تھا۔ اسی کوریج میں نامعلوم ذرائع کے حوالے سے یہ شبہات بھی شامل کیے گئے کہ ہوسکتا ہے کہ حراست کے دوران دونوں خواتین پر تشدد کیا گیا ہو۔ 7 اگست کو میڈیا رپورٹس میں بتایا گیا کہ ایک مجسٹریٹ نے لاشوں کا معائنہ کیا اور پولیس حکام و دیگر افراد کے بیانات قلمبند کیے۔ ان رپورٹس میں اہل خانہ کے یہ دعوے بھی شامل تھے کہ خواتین کے جسموں پر تشدد کے نشانات موجود تھے۔ 8 اگست کو پولیس نے دعویٰ کیا کہ ابتدائی طبی رپورٹ کے مطابق دونوں ہلاکتیں دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی ہیں۔

ان کی موت کے حالات و واقعات سے متعلق متضاد رپورٹس سامنے آئیں۔ کچھ رپورٹس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ایک خاتون کی موقع پر ہی موت ہوگئی تھی جبکہ دوسری ہسپتال منتقل کیے جاتے وقت زندہ تھی۔ دیگر رپورٹس میں کہا گیا کہ دونوں خواتین ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ چکی تھیں۔ ایک موقف کے مطابق خواتین کی موت انویسٹی گیشن ٹیم کو منتقل کیے جانے کے بعد ہوئی، جبکہ دوسرے دعوے کے مطابق ان کی موت اس منتقلی سے پہلے ہوئی تھی۔ ان کی عمریں بھی متنازع رپورٹ کی گئیں؛ ایک رپورٹ میں ان کی عمریں 18 اور 20 سال بتائی گئیں، جبکہ بعد میں پوسٹ مارٹم کے مواد کی بنیاد پر ان کی عمریں بالترتیب 17 اور 22 سال ظاہر کی گئیں۔

یہ معاملہ بعد میں سوشل میڈیا پر وسیع پیمانے پر وائرل ہو گیا، جس میں یوٹیوب مواد تخلیق کرنے والوں کی ویڈیوز اور تبصرے شامل تھے۔ دونوں خواتین کی مبینہ ویڈیوز اور سی سی ٹی وی فوٹیج، جس میں انھیں مبینہ طور پر ٹاؤن شپ تھانے میں دکھایا گیا تھا، آن لائن گردش کرنے لگیں۔ میڈیا کوریج، عوامی بحث، اہل خانہ کے الزامات اور پولیس کے جوابات کے پس منظر میں، ان ہلاکتوں کے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا جانے لگا۔ نتیجے کے طور پر، 10 اگست کو ضابطہ فوجداری کی دفعہ 176 کے تحت عدالتی تحقیقات کا آغاز کیا گیا۔

11 اگست کو کیپیٹل سٹی پولیس آفیسر (سی سی پی او) لاہور بلال صدیق کمیانہ نے ڈی آئی جی آپریشنز فیصل کامران اور ڈی آئی جی انویسٹی گیشن ذیشان رضا کے ہمراہ ان ہلاکتوں سے متعلق پریس کانفرنس کی۔ یہ تین سال سے زائد عرصے میں کسی جرم کے کیس پر سی سی پی او کی پہلی پریس کانفرنس تھی۔ سی سی پی او نے بتایا کہ خواتین کے پاس کوئی شناختی دستاویزات نہیں تھیں اور کریمینل ریکارڈ آفس کے ذریعے ان کے ناموں اور تصاویر کی مدد سے ان کا سراغ لگایا گیا۔ انھوں نے 2023ء اور 2024ء میں ان کے خلاف درج ہونے والے دو سابقہ مقدمات کا بھی حوالہ دیا۔ ہلاکتوں کے گرد گھومتے الزامات پر بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ عبوری رپورٹس میں کوئی جسمانی زخم نہیں پائے گئے اور جوڈیشل مجسٹریٹ بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے، جبکہ حتمی طبی رپورٹس ابھی زیرِ التوا ہیں۔ انھوں نے واضح کیا کہ خواتین کی موت کو 'منشیات کی لت' سے تعبیر کرنے والی رپورٹس درست نہیں تھیں، اگرچہ پولیس نے تفتیش کے دوران خواتین کے مبینہ بیانات اور ایک خاتون کے بازو پر سرنج کے نشانات کی بنیاد پر منشیات کے استعمال کو ایک امکان سمجھا تھا۔ انھوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ پاکپتن (جہاں خواتین کے اہل خانہ رہتے تھے) لاشیں لے جانے والے پولیس دستے کا انتظام اس خدشے کے تحت کیا گیا تھا کہ پولیس حراست میں ہونے والی ہلاکتوں سے امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوسکتا ہے، خاص طور پر طویل فاصلے اور متوفیوں کے خواتین ہونے کے پیشِ نظر۔

سی سی پی او نے 4 اگست کے واقعات کے حوالے سے پولیس کا موقف پیش کیا، جس میں درج ذیل ٹائم لائن بیان کی گئی:

دوپہر 2:54: مدعی نے ایمرجنسی ہیلپ لائن پر کال کر کے چوری کا الزام عائد کیا۔

دوپہر 3:11 : گرفتار کرنے والا سب انسپکٹر موقعِ واردات پر پہنچا اور خواتین کو تحویل میں لے لیا۔

دوپہر 3:26: خواتین کو تھانے لایا گیا اور آپریشنز ونگ کے ڈیوٹی کلرک کے حوالے کر دیا گیا۔

شام 4:00: مدعی تھانے پہنچا۔

شام 4:39: مدعی کی درخواست جمع کی گئی اور اسے ای-ٹیگ جاری کیا گیا۔

شام 4:50 : دونوں خواتین کے خلاف ایف آئی آر (ایف آئی آر) درج کی گئی۔

شام 5:20: تحویل کو باضابطہ طور پر آپریشنز ونگ سے انویسٹی گیشن اسٹاف (تفتیشی عملے) کو منتقل کر دیا گیا۔

شام 5:30: خواتین کو ڈیوٹی کلرک کے حوالے کر دیا گیا۔

شام 5:48: ایک خاتون بے ہوش ہوکر گر پڑی، اور کچھ ہی دیر بعد دوسری خاتون بھی گر گئی۔

شام 6:03: ڈیوٹی پر موجود سب انسپکٹر نے ریسکیو 1122 ایمرجنسی سروسز کو کال کی اور خواتین کی بگڑتی ہوئی حالت کی اطلاع دی۔

شام 6:09: ریسکیو 1122 کی ٹیم ٹاؤن شپ تھانے پہنچ گئی۔

شام 7:00: لاشوں کو جناح ہسپتال لایا گیا جہاں ان کی موت کی تصدیق کی گئی۔

الزامات کی سنگینی اور خواتین کے پولیس حراست میں دم توڑنے کے امکان پر مسلسل عوامی تشویش کے پیشِ نظر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اس کیس کا جائزہ لینے کے لیے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن تشکیل دیا۔ یہ مشن 11 سے 13 اگست تک ایک ٹیم نے سرانجام دیا جس میں راجہ اشرف (نائب صدر، ایچ آر سی پی پنجاب)، فاطمہ رزاق (صحافی)، اور جعفر احمد (ایچ آر سی پی اسٹاف ممبر اور رپورٹر) شامل تھے۔

مشن کے ضوابطِ کار درج ذیل تھے:

- دونوں خواتین کی گرفتاری، حراست اور ہلاکت کا باعث بننے والے واقعات کی ترتیب کا تعین کرنا۔
- پولیس حراست کے دوران تشدد، ظالمانہ، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک اور انسانی حقوق کی دیگر خلاف ورزیوں کے الزامات کا جائزہ لینا۔
- اس بات کا جائزہ لینا کہ آیا حراست کے دوران خواتین کو قانونی تحفظات اور قانون کے معین طریقہ

کار کے تحت سلوک کی سہولت فراہم کی گئی تھی۔

- ادارہ جاتی ناکامیوں کی نشاندہی کرنا اور دورانِ حراست تشدد اور ہلاکتوں کے خلاف تحفظات کو مضبوط بنانے کے لیے اقدامات کی سفارش کرنا۔

مشن کے مشاہدات

- **موت کا وقت اور سبب:** مشن دونوں نوجوان خواتین کی تقریباً ایک ساتھ اور انتہائی جلدی موت کو ایک اہم غیر حل شدہ سوال سمجھتا ہے جس کی تفتیش ضروری ہے، کیونکہ دونوں اپنی مبینہ موت سے کچھ دیر قبل تک مکمل صحت مند دکھائی دے رہی تھیں اور ان میں جسمانی تکلیف کی کوئی علامت رپورٹ نہیں ہوئی تھی۔
- **اہل خانہ کے بیان اور جسمانی زخموں پر سرکاری نتائج میں تضاد:** مشن اہل خانہ کے بیان اور سرکاری ریکارڈ کے درمیان براہ راست تضاد کو نوٹ کرتا ہے۔ انکوائری رپورٹ، عبوری پوسٹ مارٹم رپورٹ اور جوڈیشل مجسٹریٹ کی تحقیقات میں سے کسی میں بھی لاشوں پر کہیں بھی نشانات یا خراشیں درج نہیں ہیں۔ اس بات کو اہل خانہ کے لاشوں کی شناخت سے متعلق بیان سے ملانا مشکل ہے، جس میں انھوں نے آمنہ کے چہرے پر جما ہوا خون، کلائی پر خراش، اور انمول کے چہرے پر خراشوں کے ساتھ ساتھ ایک خاتون کے پھٹے ہوئے کپڑوں کا ذکر کیا تھا۔ مشن اس بات کو اہم سمجھتا ہے کہ اہل خانہ کی طرف سے بیان کیے گئے زخموں کی تفصیلات انہی لاشوں کے تمام سرکاری بیانات سے بالکل مختلف ہیں۔
- **مرحومین کی عمر اور شناخت:** دونوں خواتین کی عمروں اور شناخت سے متعلق بھی غیر حل شدہ سوالات موجود ہیں۔ ان کی عمریں غیر مستقل طور پر رپورٹ کی گئی ہیں، اور اہل خانہ نے بتایا کہ ایک خاتون کے پاس سی این آئی سی نہیں تھا جبکہ دوسری کے پاس تھا۔ مشن کو موصول ہونے والی دستاویزات کے مطابق مؤخر الذکر کا سالِ پیدائش 2008ء درج ہے۔ لہٰذا دستیاب معلومات سے یہ قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ دونوں خواتین اپنی موت کے وقت بالغ تھیں — یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو پولیس حراست میں افراد پر لاگو ہونے والے قانونی تحفظات کے پیشِ نظر خاصی اہمیت رکھتا ہے۔
- **اہل خانہ کو اطلاع دینے میں تاخیر:** مشن مزید نوٹ کرتا ہے کہ خواتین کی بنیادی معلومات آپریشنز ٹیم کے ساتھ گزارے گئے تقریباً دو گھنٹوں کے دوران حاصل کر لینی چاہیے تھیں۔ پولیس نے بعد میں اہل خانہ کو اطلاع دینے میں تاخیر کی وجہ شناختی دستاویزات کا نہ ہونا قرار دیا۔ کیا آپریشنز ٹیم نے انویسٹی گیشن ٹیم کے حوالے کرنے سے پہلے واقعی ان کے نام، پتا، خاندانی رابطے یا دیگر شناختی معلومات ریکارڈ کی تھیں یا نہیں، یہ غیر واضح ہے، اور مشن اس غیر یقینی صورت حال کو قابلِ ذکر سمجھتا ہے۔
- **تھانے میں خواتین پولیس اہلکاروں کا نہ ہونا:** مشن 4 اگست کو ٹاؤن شپ تھانے میں خواتین پولیس اہلکاروں کی عدم موجودگی کو اہم سمجھتا ہے، خاص طور پر ضابطہ فوجداری میں درج پولیس حراست میں خواتین کے لیے مخصوص تحفظات کے پیش نظر۔ ان تحفظات میں پولیس حراست میں موجود خواتین کی حراست اور تفتیش کے طریقے اور حالات سے متعلق تقاضے شامل ہیں۔
- **حراست کے دوران خواتین کا سی سی ٹی وی ریکارڈ:** مشن نوٹ کرتا ہے کہ تھانے کی سی سی ٹی وی فوٹیج اپنے ماخذ یا جاری کرنے کی اجازت کی مناسب وضاحت کے بغیر میڈیا تک پہنچی۔ عوامی سطح پر دستیاب فوٹیج بظاہر کچھ بھی غیر معمولی دکھائی نہیں دیتا، لیکن یہ نامکمل ہے۔ جب پوچھا گیا کہ کیا تھانے میں خواتین کے پورے قیام کی ریکارڈنگ کی گئی تھی، تو سی سی پی او کے نمائندے نے تصدیق کی کہ تفتیش 'یقیناً' سی سی ٹی وی میں محفوظ ہوئی ہے۔ تاہم، نمائندے نے ساتھ ہی یہ موقف بھی برقرار رکھا کہ کوئی تفتیش نہیں ہوئی کیونکہ انویسٹی گیشن ٹیم کے حوالے کیے جانے کے 15 سے 20 منٹ کے اندر خواتین بے ہوش ہو گئی تھیں۔ مشن کو مکمل فوٹیج فراہم نہیں کی گئی اور اسے اس بات پر تشویش ہے کہ دستیاب کلپس یہ ثابت نہیں کرتے کہ حراست کے پورے وقت میں کیا کیا ہوا۔
- **لاشوں کی تدفین اور انتظام:** مشن لاشوں کی تدفین اور انہیں سنبھالنے سے متعلق غیر معمولی حالات کو بھی نوٹ کرتا ہے۔ اہل خانہ نے بتایا کہ انہیں غسل دینے یا لاشوں کو سنبھالنے کی اجازت نہیں دی گئی، جبکہ جناح ہسپتال کے عملے نے تصدیق کی کہ انھوں نے لاشوں کا معائنہ نہیں کیا تھا۔ اہل خانہ نے یہ بھی بتایا کہ پولیس نے ابتدا میں زور دیا کہ لاشوں کو صبح 3 بجے پولیس دستوں کی براہ راست نگرانی میں دفنایا جائے۔ ان حالات کا مجموعی طور پر مطلب یہ تھا کہ ریاستی حکام اور پوسٹ مارٹم کی ذمہ دار میڈیکل بورڈ کے علاوہ کسی دوسرے فریق کو لاشوں پر جسمانی تشدد یا تشدد کی نشان دہی کرنے والے دیگر نشانات کا معائنہ کرنے کا خاطر خواہ موقع نہیں ملا۔

مشن کو تین ذرائع — دو کرائم رپورٹرز اور ایچ آر سی پی کے ایک رکن — سے مستقل اور قابلِ اعتماد تصدیق بھی موصول ہوئی، جنھوں نے پاکپتن کے رہائشیوں سے براہ راست بات کی، کہ پولیس نے 7 اگست کے بعد کئی دنوں تک قبرستان میں اپنی موجودگی برقرار رکھی اور وہاں تک رسائی کو محدود رکھا۔

مشن پوسٹ مارٹم کے طریقے اور تدفین کے عمل کے دوران پولیس کے سخت قواعد وضوابط پر شدید تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ مشن کو متعدد قابلِ اعتماد رپورٹس موصول ہوئیں کہ جناح ہسپتال میں ان سخت اقدامات نے ہسپتال کے عملے کو اپنے ہی جائے وقوعہ تک رسائی سے روکا — جو کہ معمول کے طریقہ کار کے برعکس ہے۔

مشن اس بات کا تعین کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ آیا لاشوں کی منتقلی اور تدفین کے انتظامات (جس میں مبینہ طور پر کم از کم ایک درجن گاڑیاں شامل تھیں) اور اس کے بعد کئی دنوں تک قبرستان پر موجودگی برقرار رکھنے میں پولیس کی اس حد تک شمولیت حراستی موت کے کیسز میں معمول کا طریقہ کار ہے، اور لاشیں تدفین کے لیے ورثا کے حوالے کیوں نہیں کی گئیں۔ پولیس نے اس بھاری سیکیورٹی کو امن و امان کے خدشات سے تعبیر کیا لیکن اس قدر شدید خطرے کے جائزے کی کوئی معقول وجہ فراہم نہیں کی۔

- **خواتین کے منشیات کا عادی ہونے کا دعویٰ:** پولیس کا یہ الزام کہ دونوں خواتین منشیات کی عادی تھیں، دستیاب شواہد سے مطابقت نہیں رکھتا۔ سی پی او نے منشیات کے استعمال کی رپورٹس کو ایک افسر کی طرف سے اٹھائے گئے امکان کی غلط رپورٹنگ قرار دیا۔ تاہم، مشن سے بات کرنے والے ایک پولیس اہلکار نے غیر مبہم طور پر کہا کہ اس میں 'کوئی شک نہیں' کہ خواتین منشیات کی عادی تھیں۔ اس دعوے کی توثیق کے لیے مشن کو کوئی طبی یا دستاویزی ثبوت فراہم نہیں کیا گیا۔ دونوں خواتین مشن کے زیرِ جائزہ سی سی ٹی وی فوٹیج اور گرفتاری کے مقام کی فوٹیج دونوں میں مکمل طور پر باہوش و حواس اور صحت مند دکھائی دیتی ہیں۔ مدعی نے بھی مشن کو بتایا کہ اس نے نشے کی کوئی علامت نہیں دیکھی۔
- **پوسٹ مارٹم رپورٹ کے نتائج:** عبوری پوسٹ مارٹم دونوں خواتین کے پھیپھڑوں اور دل میں غیر معمولی تبدیلیوں کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کرتا۔ مشن نے جن طبی ماہرین سے مشورہ کیا انہوں نے نوٹ کیا کہ ایسے نتائج کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں اور یہ بذاتِ خود موت کی وجہ یا

طریقہ کار کا تعین کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ خاص طور پر، پھیپھڑوں کا سیاہ یا داغدار دکھائی دینا عام بات ہے اور ایک نوجوان عورت میں یہ صرف منشیات کے استعمال کو ثابت نہیں کرتا۔ ایک ماہر نے ایک خاتون کے بازو پر سوئی کے چبھنے کے نشانات کی نشاندہی کی جو طویل مدتی نشہ آور ادویات کے استعمال کی طرف اشارہ کرتے ہیں، لیکن دوسری خاتون پر ایسے کوئی نشانات نہیں تھے —ایک ایسا تضاد جس کی وضاحت کی ضروری ہے اگر دونوں کو طویل مدتی منشیات کا عادی سمجھا جاتا ہے۔ مشن کو اب تک ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ان کی موت سے فوراً پہلے کے گھنٹوں میں دونوں میں سے کوئی بھی خاتون بظاہر منشیات کے زیرِ اثر تھی۔

- دونوں عبوری پوسٹ مارٹم رپورٹس اپنے نتائج کی یکسانیت کی وجہ سے بھی قابلِ ذکر ہیں۔ دونوں خواتین کی عمر 25 سال درج ہے، حالانکہ آمنہ کے شناختی کارڈ میں مبینہ طور پر اس کا سالِ پیدائش 2008ء درج ہے، اور اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ پوسٹ مارٹم رپورٹس میں درج عمروں کا تعین کیسے کیا گیا تھا۔ دونوں رپورٹس میں دل میں خون کے لوتھڑے، سیاہ یا داغدار پھیپھڑے، اور دماغ میں سوجن درج کی گئی ہے۔ فرق کا بنیادی نقطہ کیہ ہے کہ آمنہ کی رپورٹ میں اس کے بازو پر سوئی کے نشانات بیان کیے گئے ہیں، جبکہ انمول کی رپورٹ میں ایسے کسی نشانات کا ذکر نہیں۔
- پوسٹ مارٹم کے عمل میں تاخیر: مشن پوسٹ مارٹم کا عمل مکمل ہونے میں تاخیر پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ عبوری رپورٹ 11 اگست کو، یعنی اموات کے سات دن بعد دستیاب کی گئی، جبکہ حتمی رپورٹ اور ہسٹو پیتھولوجیکل و ٹاکسیکولوجیکل نتائج ابھی آنا باقی ہیں۔ بذاتِ خود، عبوری نتائج موت کی وجہ یا طریقہ کار کا تعین کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔
- اہل خانہ کے ساتھ سلوک: مشن کو موت کے بعد پولیس کی طرف سے بدسلوکی کے بارے میں اہل خانہ کے الزامات پر بھی تشویش ہے، جس کی ٹاؤن شپ تھانے کے سب انسپکٹر نے تردید کی ہے۔ اہل خانہ نے بتایا کہ پولیس نے انہیں خواتین کو لے جانے کا کہا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ پہلے ہی دم توڑ چکی ہیں اور بعد میں ایک خاندانی رکن سے خواتین کو منشیات کا عادی قرار دینے سے متعلق ویڈیو ریکارڈ کرنے کو کہا، مبینہ طور پر ان کی رہائی کو اس سے مشروط کیا گیا۔ انھوں نے یہ الزام بھی لگایا ہے کہ ان سے ابتدائی طبی رپورٹ پر دستخط کرنے کو کہا گیا حالانکہ وہ اس کے مندرجات کو پڑھنے یا سمجھنے سے قاصر تھے، اور بعد میں جب انھوں نے پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کرنے کی کوشش کی تو انہیں متعدد مقدمات میں نامزد کرنے کی دھمکیاں دی گئیں۔ یہ الزامات سنگین خدشات پیدا کرتے ہیں کہ آیا خواتین کی موت کے حالات کے بارے میں جوابات حاصل کرتے وقت اہل خانہ پر جان بوجھ کر دباؤ اور دھمکیاں ڈالی گئیں۔

ماحصل

مجموعی طور پر، مشن کے نتائج اور مشاہدات اس بات پر سنگین شبہات پیدا کرتے ہیں کہ آیا پیش آنے والے واقعات کے مکمل یا درست ریکارڈ کے طور پر سرکاری موقف پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔ پولیس تفتیشی ٹیم کے حوالے کیے جانے کے کچھ ہی دیر بعد بظاہر صحت مند دو نوجوان خواتین کا تقریباً ایک ساتھ بے ہوش ہونا اور دم توڑ دینا، لاشوں پر نمایاں زخموں کے اہل خانہ کے بیان اور ابتدائی طبی رپورٹ کے درمیان واضح تضاد جس میں یکساں طور پر تشدد کا کوئی نشان درج نہیں، دونوں خواتین کی الگ الگ پوسٹ مارٹم رپورٹس میں تقریباً یکساں نتائج، اور صبح سویرے تدفین کے موقع پر پولیس کی غیر متناسب بھاری موجودگی، مجموعی طور پر ایک ایسی ترتیب کو ظاہر کرتی ہے جسے مشن یا عوام کے لیے فی الوقت دستیاب مواد سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ الگ تھلگ بے قاعدگیاں نہیں ہیں بلکہ کیس کے تقریباً ہر مرحلے یعنی گرفتاری سے لے کر تدفین تک ایک مستقل طریقہ کار ہے، اور یہ اب تک استعمال کیے گئے طریقہ کار سے بالاتر ردعمل کا تقاضا کرتا ہے۔

سفارشات

اگر حراست میں آمنہ اور انمول کی موت کے حالات اس رپورٹ میں اٹھائے گئے خدشات کی تصدیق کرتے ہیں تو 'ٹارچر اینڈ کسٹوڈیل ڈیتھ (پریوینشن اینڈ پنشمنٹ) ایکٹ 2022ء' قابلِ اطلاق قانونی فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ اس کے طریقہ کار کو استعمال کیا جانا چاہیے، قطع نظر اس کے کہ مشن کو اس کے انتظامی امور میں وفاقی تحقیقاتی ایجنسی (ایف آئی اے) کے کردار پر تحفظات ہیں۔ نیچے دی گئی سفارشات کا مقصد اس ایکٹ کے تحت کارروائی کا متبادل فراہم کرنا نہیں بلکہ اس کی تکمیل کرنا ہے۔ چنانچہ مشن درج ذیل اقدامات کی سفارش کرتا ہے:

1. حکومتِ پنجاب کو لاہور ہائی کورٹ کے ایک موجودہ جج کی سربراہی میں ایک عدالتی ٹریبونل تشکیل دینا چاہیے جو آمنہ اور انمول کی گرفتاری، حراست اور ہلاکت کے حالات کی تحقیقات کرے۔ ٹریبونل کو تمام عہدوں کے پولیس اہلکاروں سمیت گواہوں کو طلب کرنے اور ان کا معائنہ کرنے، اور دستاویزات و ریکارڈ پیش کرنے پر مجبور کرنے کے لیے سول کورٹ کے تمام اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔ اس کے نتائج کو مکمل طور پر اور اس کے اختتام کے ایک مقررہ، مخصوص وقت کے اندر عام کیا جانا چاہیے۔
2. عدالتی ٹریبونل اپنی تحقیقات کے دوران آمنہ اور انمول کی لاشوں کی قبر کشائی اور پولیس یا اس کیس میں ملوث کسی بھی ایجنسی سے منسلک نہ ہونے والے آزاد اور غیر جانبدار طبی و فارنزک ماہرین کے ذریعے ان کے معائنے کا حکم دے۔ اس میں موت کی قابلِ اعتماد اور قطعی وجہ کا تعین کرنے کے لیے ہسٹو پیتھولوجیکل اور ٹاکسیکولوجیکل تجزیہ شامل ہونا چاہیے۔
3. پولیس حراست میں خواتین کے تھانے پہنچنے سے لے کر ان کے بے ہوش ہونے تک کے تمام دورانیے پر مشتمل مکمل اور غیر ترمیم شدہ سی سی ٹی وی فوٹیج کو محفوظ کیا جانا چاہیے اور عدالتی کمیشن کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے، ساتھ ہی اس بات کی وضاحت بھی کی جانی چاہیے کہ جزوی فوٹیج میڈیا میں کیسے گردش کر سکی۔
4. جوڈیشل ٹریبونل کو محض پولیس کی طرف سے پیش کردہ ٹائم لائن پر انحصار کرنے کے بجائے کال لاگز، کسٹڈی رجسٹرز، ریسکیو 1122 ریکارڈز، اور کسی بھی دیگر دستیاب دستاویزی شواہد کے مطابق 4 اگست کے واقعات کی پولیس کی بیان کردہ ٹائم لائن کی آزادانہ تصدیق کرنی چاہیے۔
5. اہل خانہ کو کسی بھی مزید دھمکیوں یا مقدمات کے خوف سے محفوظ رکھا جانا چاہیے اور انہیں قانونی امداد فراہم کی جانی چاہیے تاکہ وہ ٹریبونل کی کارروائیوں میں معنی خیز انداز میں حصہ لے سکیں۔
6. حکومت کو پولیس حراست میں خواتین کے لیے حفاظتی تدابیر کا جائزہ لینا اور انہیں مضبوط بنانا چاہیے، بشمول ہر وقت خواتین افسران کی لازمی موجودگی، خواتین کی گرفتاری، حراست اور تفتیش سے متعلق ضابطہ فوجداری کی متعلقہ شقوں کی پاسداری، اور تمام تفتیشوں کی لازمی، ناقابلِ دست اندازی ویڈیو ریکارڈنگ، جس میں کسی بھی خلاف ورزی کی صورت میں ادارہ جاتی جوابدہی کی واضح حدود متعین ہوں۔

آزادیِ صحافت اور مشکل حالات پر سیمینار

مہمانِ خصوصی، جسٹس (ریٹائرڈ) مقبول باقر چیئرمین، سندھ ہیومن رائٹس کمیشن

کراچی یونین آف جرنلسٹس، کراچی پریس کلب

جناب طاہر حسن خان، صدر کراچی یونین آف جرنلسٹس؛ جناب حسین نقی صاحب، معزز مقررین، صحافت سے وابستہ سینئر ارکان، اور دوستو! السلام علیکم۔

میں کراچی یونین آف جرنلسٹس اور نیشنل ٹریڈ یونین فیڈریشن کا انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس سیمینار سے خطاب کی دعوت دے کر عزت بخشی۔ ہمارا آئین اظہارِ رائے کی آزادی کو شہریوں پر کوئی احسان نہیں سمجھتا۔ آئین کا آرٹیکل 19 اس کی ضمانت دیتا ہے، اور آرٹیکل 19-A معلومات تک رسائی کے حق کی ضمانت دیتا ہے، کیونکہ آئین ساز اس بات سے واقف تھے کہ جو شہری بول نہیں سکتا اور کچھ جان نہیں سکتا، وہ اپنے نظامِ حکومت میں مؤثر طریقے سے شامل نہیں ہو سکتا۔ جمہوریت محض انتخابات کا انعقاد نہیں ہے، بلکہ یہ عوام کے سامنے طاقت کا مسلسل اور روزانہ کا احتساب ہے، اور یہ احتساب ایسی صحافت کے بغیر ناممکن ہے جو ناگوار سوالات پوچھنے اور ناپسندیدہ حقائق بیان کرنے کی آزادانہ صلاحیت رکھتی ہو۔ تھامس جیفرسن نے 1787 میں اس بات کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا تھا کہ اگر انہیں اخبارات کے بغیر حکومت یا حکومت کے بغیر اخبارات میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو وہ بلا جھجک مؤخر الذکر کا انتخاب کریں گے۔ اس ہال میں موجود صحافتی برادری کے بارے میں ہمارے بانی کا بھی یہی نقطہ نظر تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں درج ہے کہ انہوں نے اس ملک کے ابتدائی دنوں میں صحافیوں سے کہا تھا کہ وہ ان سے مکمل طور پر بے خوف ہونے کی توقع رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحافیوں کو ہراساں کیا جاتا ہے، جب مقدمات ان پر مقدمہ چلانے کے بجائے محض خوفزدہ کرنے کے لیے درج کیے جاتے ہیں، یا جب معلومات تک رسائی میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے، تو یہ نقصان صرف صحافت کا نہیں ہوتا۔ یہ نقصان ہمارے آئینی ڈھانچے کا ہوتا ہے۔

ہماری اعلیٰ عدلیہ نے گزشتہ برسوں کے دوران اس ضمانت کو عملی شکل دی ہے۔ پاکستان براڈ کاسٹرز ایسوسی ایشن بنام پیمرا (PLD 2016 SC 692) کیس میں سپریم کورٹ نے قرار دیا کہ آرٹیکل 19 کے تحت ملنے والے حقوق پر کوئی بھی پابندی معقول، قانون کے مطابق، اور اس مقصد سے مناسب تناسب میں ہونی چاہیے جس کے لیے وہ لگائی گئی ہے۔ عدالت نے کہا کہ جو پابندی بلاجواز، جابرانہ، یا حق اور جائز سماجی کنٹرول کے درمیان صحیح توازن قائم کرنے میں ناکام رہے، اسے معقولیت کے معیار کے مطابق نہیں سمجھا جائے گا۔ وہ کیس اشتہارات کے دوران ایسے پر ضابطہ اخلاق کی حدود کے بارے میں تھا، اور عدالت نے اس ضابطے کو اس معیار پر پورا اترنے کی بنیاد کے طور پر برقرار رکھا۔ میں اس کا ذکر یہاں صحافتی سنسرشپ کے حوالے سے نہیں کر رہا، بلکہ اس لیے کر رہا ہوں کہ یہ ریاست سے جس نظم و ضبط کا تقاضا کرتا ہے — کہ بنیادی حق پر لگائی گئی پابندی کو معقول ثابت کرنا ہوگا ورنہ اسے ختم ہونا پڑے گا — یہ وہ نظم و ضبط ہے جس کی توقع اس پیشے کو ریاست سے رکھنی چاہیے جہاں بھی یہ حق استعمال ہو رہا ہو۔ یہ عدلیہ ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی دوسرے ادارے سے زیادہ اس وعدے کو برقرار رکھے۔ آرٹیکل 199 کے تحت، اس ملک کی ہر ہائی کورٹ بنیادی حقوق کے نفاذ، اور جب کسی شہری یا صحافی پر قانون سے بالاتر ہو کر کام کرنے والی کسی اتھارٹی کے ذریعے ظلم ہوا ہو تو رٹ جاری کرنے کا اختیار رکھتی ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ اتھارٹی کون ہے۔ 2025 کی 27ویں آئینی ترمیم کے بعد، بنیادی حقوق سے متعلق مفادِ عامہ کے معاملات میں اعلیٰ ترین سطح پر ذمہ داری اب وفاقی آئینی عدالت کے پاس ہے آرٹیکل 175(3) کے تحت جو کہ ایک ایسا اختیار ہے جو سپریم کورٹ خود چار دہائیوں سے زائد عرصے تک سابقہ آرٹیکل 184(3) کے تحت استعمال کرتی رہی ہے۔ یہ محض ایک رسم یا تشہیری اختیار نہیں ہے۔ یہ وہ طریقہ کار ہے جس کے ذریعے کاغذ پر موجود آئینی وعدہ عملی تلافی کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ایک آزاد عدلیہ اور آزاد صحافت تاریخ کے ہر دور میں ایک ساتھ کھڑی رہی ہیں یا ایک ساتھ زوال پذیر ہوئی ہیں۔ جہاں عدالتیں آزاد ہوتی ہیں، وہاں صحافت کو غیر قانونی پابندیوں کا جائزہ لینے والا فورم ملتا ہے۔ جہاں عدالتیں آزاد ہوتی ہیں، وہاں صحافت خود عدلیہ سمیت ہر دوسرے ادارے کا احتساب کرنے کے لیے زیادہ آزاد ہوتی ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر شہری کی مکمل حفاظت نہیں کر سکتا۔

میں اس ایوان سے گزارش کروں گا کہ وہ اس خاموش اور مسلسل کام پر غور کرے جو ایک آزاد صحافت اس ملک میں انجام دیتی ہے۔ یہ آزاد صحافت ہی ہے جو سرکاری اخراجات، سرکاری معاہدوں، اور عوامی عہدوں کے طرزِ عمل کو اس شہری کی نظروں کے سامنے رکھتی ہے جو بالآخر ان تینوں کی قیمت ادا کرتا ہے اور ان کے اثرات کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ آزاد صحافت ہی ہے جو سیلاب زدگان امداد، صحت عامہ کی ہنگامی صورتحال، یا حراستی تشدد کے واقعے کی خبر ان متاثرہ لوگوں تک بروقت پہنچاتی ہے تاکہ اس کا کوئی حل نکالا جا سکے۔ یہ وہ کام ہے جس کی کوئی ایک قانون یا ضابطہ، چاہے وہ کتنا ہی بہترین کیوں نہ لکھا گیا ہو، مکمل طور پر جگہ نہیں لے سکتا، کیونکہ اس کا انحصار فیلڈ میں موجود آنکھوں اور کانوں پر ہوتا ہے، نہ کہ واقعے کے بعد جمع کرائے گئے کسی فارم پر۔ یہ خاموشی اور تسلسل کے ساتھ، عوامی طاقت کے استعمال پر سب سے مؤثر نظم و ضبط فراہم کرتی ہے جو کسی بھی معاشرے کو حاصل ہو سکتا ہے۔

اسی وجہ سے آزاد صحافت جن اداروں کا جائزہ لیتی ہے، انہیں کمزور کرنے کے بجائے مضبوط کرتی ہے۔ ایک حکومت جو یہ جانتی ہے کہ اس پر نظر رکھی جا رہی ہے، وہ زیادہ احتیاط سے حکومت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک عدالت جو یہ جانتی ہے کہ اس کی کارروائی رپورٹ کی جائے گی، وہ اپنے طریقہ کار کا زیادہ سختی سے پاس رکھتی ہے۔ ایک ادارہ جو ایماندارانہ تجزیے کے بعد قائم رہتا ہے، وہ ایسی ساکھ حاصل کر لیتا ہے جو کوئی پریس ریلیز قائم نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس، ایک ایسا غیر جوابدہ نظام جو صرف خود کو جوابدہ ہو، اس نے کسی بھی قوم کی تاریخ میں کبھی بہتر حکومت نہیں دی، بلکہ صرف کم جوابدہ حکومت دی ہے۔ میں اس پیشے سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی آزادی کو ریاست کی طرف سے دی گئی کوئی رعایت نہ سمجھے، بلکہ اسے ریاست کی اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کی صلاحیت کے ایک فعال حصے کے طور پر دیکھے۔ تعمیرِ وطن صرف قانون سازوں، عدالتوں اور انتظامی دفاتر کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی صحافت کا بھی سست لیکن اہم کام ہے جو شہریوں کو اس منصوبے میں تماشائیوں کے بجائے برابر کے شریک کے طور پر باخبر رکھتی ہے۔ ایک ملک پائیدار ادارے تبھی بناتا ہے جب اس کے لوگ ان اداروں کے بارے میں دی گئی معلومات پر اعتماد کرتے ہوں، اور یہ اعتماد صرف آزاد اور قابلِ اعتماد صحافت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ آزاد رپورٹنگ ہی ہے جو قوم کی کامیابیوں کو اس کے اپنے لوگوں اور دنیا تک پہنچاتی ہے، اور یہ وہی آزاد رپورٹنگ ہے جو قوم کی ناکامیوں کی وقت پر نشاندہی کرتی ہے تاکہ ان کی اصلاح کی جا سکے، نہ کہ وہ اگلی نسل کو ورثے میں ملیں۔ اس لحاظ سے، ایک مضبوط اور آزاد صحافت تعمیرِ وطن میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، بلکہ یہ اس کی بنیادوں میں سے ایک ہے۔

قانون سازی کے میدان میں بھی پیش رفت ہوئی ہے۔ مئی 2021 میں، سندھ اسمبلی نے سندھ پروٹیکشن آف جرنلسٹس اینڈ ادر میڈیا پریکٹیشنرز ایکٹ منظور کیا، جو پورے پاکستان میں اپنی نوعیت کا پہلا قانون تھا، جس کے چند ماہ بعد وفاقی پروٹیکشن آف جرنلسٹس اینڈ میڈیا پروفیشنلز ایکٹ، 2021 آیا۔ یہ قوانین اس بات کو یقینی بنانے کے لیے موجود ہیں کہ جب کسی صحافی کو دھمکی دی جائے، حملہ کیا جائے، یا اسے قتل کیا جائے، تو ایک ایسا کمیشن موجود ہو جو تحقیقات کا اختیار رکھتا ہو اور ریاست اس پر عملدرآمد کرنے کی پابند ہو۔ ہمارے قوانین کی کتابوں میں ان کی موجودگی اس بات کا اعادہ ہے کہ صحافی کی حفاظت کوئی ذاتی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ یہ ریاست کا فریضہ ہے۔ میں اس اجتماع سے درخواست کروں گا کہ وہ ایک لمحے کے لیے اس ملک کے ان صحافیوں کی یاد میں خاموشی اختیار کرے جو ان آزادیوں کو دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہ سکے جن کے لیے انہوں نے جدوجہد کی۔ وہ مرد اور خواتین جو بم دھماکے، ٹارگٹ کلنگ، احتجاج، یا جنگی علاقے کی کوریج کے لیے گئے اور کبھی گھر واپس نہ آئے۔

میں صرف اتنا کہوں گا کہ جو پیشہ اپنی عام ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران اپنے مرحومین کا حساب رکھتا ہے، وہ ایک ایسا پیشہ ہے جو خود سے مانگی گئی ہر قیمت پہلے ہی کئی بار ادا کر چکا ہے۔ ان کی یاد کا تقاضا ہے کہ ان کے کیسز دھول کی نذر نہ ہو جائیں، اور ان کے نام پر بننے والے قانون پر بالآخر عمل درآمد کی اجازت دی جائے۔

لیکن حقوق کبھی یک طرفہ نہیں ہوتے۔ جو آئین آپ کی آزادی کا تحفظ کرتا ہے، وہ آپ سے اسی کے مطابق نظم و ضبط کی توقع بھی رکھتا ہے۔ ذمہ دارانہ صحافت کا مطلب اشاعت سے پہلے تصدیق ہے۔ اس کا مطلب حقیقت کو رائے سے اور الزام کو ثبوت سے الگ کرنا ہے۔ اس کا مطلب سنسنی خیزی کی ترغیب سے بچنا ہے، خاص طور پر مذہب، قومیت، اور افراد کی عزت کے معاملے میں، جہاں لاپرواہی میں کہا گیا ایک لفظ ایسا نقصان پہنچا سکتا ہے جسے کوئی تردید ختم نہیں کر سکتی۔ میں اس پیشے پر زور دوں گا کہ وہ درستگی اور

انصاف پسندی کو باہر سے عائد کردہ پابندیوں کے طور پر نہ دیکھے، بلکہ اسے اپنے اختیار کا اصل ذریعہ سمجھے۔ ایک قابلِ اعتماد پریس وہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک غیر محتاط پریس خود ہی وہ ساکھ کھو دیتی ہے جسے دینے یا چھیننے کا اختیار کسی حکومت کے پاس نہیں ہوتا۔

اس سیمینار کے عنوان میں ہی "چیلنجنگ حالات" کا جملہ شامل ہے، اور اگر میں ان میں سے کچھ حالات کا براہِ راست ذکر نہ کروں تو یہ اس سیمینار کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ اس ملک میں صحافت اکثر غیر رسمی ہدایت ناموں، کیبلز کی بندش، اور ان احکامات کے سائے میں کام کرتی ہے جو کسی تحریری یا قابلِ اپیل حکم کی شکل اختیار کیے بغیر کسی خبر یا چینل کی زبان بندی کر دیتے ہیں۔ ایسا اقدام، بالکل اسی لیے کہ وہ کاغذ پر نہیں آتا، کسی تفتیش یا جائزے سے بھی بچ جاتا ہے۔ چیلنج کرنے کے لیے کوئی تحریری حکم ہوتا ہے اور نہ ہی سنوائی کا کوئی فورم، بلکہ صرف ایک خاموشی ہوتی ہے جو مسلط کر دی جاتی ہے اور جس کی کوئی وضاحت نہیں دی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ صحافت پر ایسی پابندی سب سے مشکل پابندی ہوتی ہے جسے نہ نام دیا جا سکے اور نہ ہی ریکارڈ پر لایا جا سکے۔ مالیاتی دباؤ اسی مسئلے کی دوسری اور خاموش شکل ہے۔ اشتہارات، بالخصوص سرکاری اشتہارات، اس ملک میں پریس کی آمدنی کے سب سے بڑے ذرائع میں سے ایک ہیں، اور ان کا انتخابی بنیادوں پر بند کیا جانا، ایک سے زائد بار وہ کام کر چکا ہے جو ایک براہِ راست حکم بھی نہیں کر سکا۔ کسی اخبار یا چینل پر پابندی لگانے کی ضرورت نہیں رہتی اگر اسے صرف اس قابل نہ چھوڑا جائے کہ وہ اپنے عملے کو تنخواہیں دے سکے، اور معاشی دباؤ کا شکار صحافی وہ صحافی ہوتا ہے جس پر خبر کے معاملے میں آسانی سے دباؤ ڈالا جا سکے۔ نہ ہی صحافی پر ہر دباؤ نیوز روم کے باہر سے آتا ہے۔ دیگر ممالک کی طرح اس ملک میں بھی میڈیا کی ملکیت اکثر چند ہاتھوں میں مرکوز ہے، اور یہ ارتکاز اپنے اندر خدشات رکھتا ہے۔ کچھ نیوز رومز میں صحافیوں کو مہینوں تنخواہیں نہیں ملتیں یا کم دی جاتی ہیں، جب کوئی خبر کسی اشتہار دینے والے یا سرپرست کو ناگوار گزرتی ہے تو بغیر کسی نوٹس کے برطرف کر دیا جاتا ہے، یا ان سے وہ لکھنے کو کہا جاتا ہے جو سچ نہ ہو بلکہ مالکان کے تجارتی یا سیاسی مفادات کو پورا کرتا ہو۔ اس کا حل جزوی طور پر میڈیا ملازمین کے لیے موجودہ لیبر قوانین کے نفاذ میں ہے، اور جزوی طور پر انڈسٹری کی اس خود سوز آمادگی میں کہ وہ نیوز روم اور بورڈ روم کے درمیان فاصلہ برقرار رکھے، تاکہ کوئی خبر رپورٹر کی تنخواہ پر دستخط کرنے والے کی مرضی کے بجائے اپنی درستگی کی بنیاد پر قائم رہے یا رد ہو۔ میں اس اجتماع کے ساتھ غیر مخلص ہوں گا اگر میں مختصر طور پر اس معاملے پر بات نہ کروں جو ہم سب سے تعلق رکھتا ہے: بغیر کسی ثبوت کے کسی سیاسی جماعت یا حکومت پر الزامات تراشی کا سلسلہ، جو رینگنز، کلکس، یا کسی کے پروپیگنڈے کی خدمت کے لیے چلایا اور دہرایا جاتا ہے۔ یہ بھی سیاسی انتقام کی ہی ایک شکل ہے، اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے پریس کو خود اپنا دفاع کرنا چاہیے۔ ایک ایسا الزام جسے بار بار دہرایا جائے، وہ ثبوت کی طرح لگنے لگتا ہے، چاہے اس کا کوئی وجود ہی نہ ہو، اور گھر پر بیٹھے شہری کے پاس رپورٹس اور مہم جوئی کے درمیان فرق بتانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ میں اس کا ذکر مختصر طور پر اور کسی ایک چینل یا پارٹی کی طرف اشارہ کیے بغیر کر رہا ہوں، کیونکہ اس ملک کا ہر سیاسی کردار، کسی نہ کسی وقت، اس کا نشانہ بنا ہے۔ ایک ایسا پریس جو خود کو اس طرح استعمال ہونے دیتا ہے، وہ نہ صرف عوام کو گمراہ کرتا ہے، بلکہ ان لوگوں کو بھی مواد فراہم کرتا ہے جو اقتدار کے کسی بھی احتساب کو ناپسند کرتے ہیں، کیونکہ بے بنیاد الزامات کو آسانی سے رد کر دیا جاتا ہے، اور پھر ان کے رد کیے جانے کو حقیقی اور ٹھوس رپورٹنگ کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ میں مختصر طور پر ایک اور معاملے پر بھی بات کرنا چاہوں گا جسے یہ پیشہ بہت اچھی طرح جانتا ہے: صحافیوں کو تحویل میں لیا جانا اور ان پر ایسے الزامات کے تحت حراست میں رکھنا جو تفتیش پر پورا نہیں اترتے۔ آرٹیکل 9 فرد کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، آرٹیکل 10-A ہر شخص کو منصفانہ ٹرائل اور قانون کے معین طریقہ کار کے تحت سلوک کی ضمانت دیتا ہے، اور ان میں سے کوئی بھی ضمانت صرف اس لیے کمزور نہیں ہو جاتی کہ کٹہرے میں کھڑا شخص مائیکروفون یا بائی لائن رکھتا ہے۔ آزادی سے محروم کرنا ریاست کا سب سے سنگین اختیار ہے، اور اس کا مقصد ثبوت کی پیروی کرنا ہے، نہ کہ اس پر مقدم ہونا۔ جہاں کوئی خبر یا نشریات بذاتِ خود گرفتاری کی بنیاد بن جاتی ہے، یا جہاں دہشت گردی یا سائبر کرائم کے لیے بنایا گیا قانون عام رپورٹنگ کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے، وہاں عدالتوں کا کام ہے کہ وہ اسی اختیارِ سماعت کو استعمال کرتے ہوئے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے، یہ پوچھیں کہ کیا واقعی قانون کی پیروی کی گئی ہے، اور جہاں ایسا نہ کیا گیا ہو وہاں ریلیف فراہم کریں۔

میں اس یہاں انفرادی کیسز پر بات نہیں کروں گا، لیکن میں یہاں جمع ہونے والے پیشے سے اتنا ضرور کہوں گا: کسی ایسے الزام پر، جو برقرار نہ رہ سکے، حراست میں لیا گیا صحافی صرف ایک شخص کی آزادی کا نقصان نہیں ہے۔ یہ ایک انتباہ ہے، جو ہر اس دوسرے صحافی کے لیے ہے جو اسے دیکھ رہا ہے، اور یہ ایک ایسا اشارہ ہے جو کسی آئینی ریاست کو نہیں دینا چاہیے۔

میں ایک اور تشویش کا بھی مختصر ذکر کرنا چاہوں گا جس کا اکثر اس ملک میں اظہار کیا جاتا ہے: بیرونِ ملک مقیم صحافیوں اور مبصرین کی ایک چھوٹی تعداد کا طرزِ عمل جو فاصلے کے تحفظ کی وجہ سے پاکستان اور اس کے اداروں پر جارحانہ اور بعض اوقات بے بنیاد حملے کرتے ہیں۔ میں صرف اتنا کہوں گا: تنقید، حتیٰ کہ سخت تنقید، ہر صحافی کا حق ہے، چاہے وہ ملک میں ہو یا بیرونِ ملک، اور جو ادارے اپنے طرزِ عمل میں پرعزم ہیں انہیں اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تنقید اپنی اہمیت کھو دیتی ہے جب وہ اثر کے لیے حقائق کو نظر انداز کر دیتی ہے، اور جب وہ نظم و نسق کو بہتر بنانے کے بجائے ملک کے وقار کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی ہے۔ تاہم، اس کا حل سنسرشپ نہیں ہے۔ اس کا حل ملک کے اندر بہتر صحافت، ایسے قابلِ اعتماد ادارے جو ایسے بیانیے کو جگہ نہ دیں، اور ایک ایسا پریس ہے جو اتنا متحرک اور قابلِ اعتماد ہو کہ شہریوں کو سچائی کے لیے کہیں اور نہ دیکھنا پڑے۔ میں ایک اور بات کا اضافہ کروں گا، جس کا رخ اس ہال کی طرف کم اور میڈیا کی اس نئی نسل کی طرف زیادہ ہے جو اس کے ساتھ پروان چڑھی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اب اس ملک، اس کی سیاست، یا اس کے اداروں کے بارے میں اپنی سمجھ بوجھ کسی اخبار یا ٹیلی ویژن بلیٹن سے نہیں بناتی۔ وہ اسے یوٹیوب چینل، سوشل میڈیا پیج، یا چند ایسے اکاؤنٹ سے بناتے ہیں جن پر وہ بھروسہ کرنے لگے ہیں، اکثر کسی بھی روایتی ذریعہ سے زیادہ۔ یہ بذاتِ خود کوئی ایسی پیش رفت نہیں ہے جس سے ڈرا جائے۔ اس نے ان آوازوں کے لیے جگہ بنائی ہے جن کے لیے میڈیا کی ملکیت کے پرانے ڈھانچے نے کبھی جگہ نہیں بنائی۔

لیکن اس پہنچ کے ساتھ ایک ایسا فرض بھی آتا ہے جو کسی اخبار یا ٹیلی ویژن چینل کے فرض سے کم نہیں ہے، اور بعض لحاظ سے زیادہ وزن رکھتا ہے، کیونکہ سامعین کمسن ہیں اور جو کچھ انہیں بتایا جاتا ہے اس پر سوال اٹھانے کی بہت کم قابلیت رکھتے ہیں۔ ایک ایسی سرخی جو درستگی کے بجائے مشغولیت کے لیے بنائی گئی ہو، ایک ایسا الزام جسے حتمی حقیقت کے طور پر پیش کیا جائے، ایک ایسا کلپ جسے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے سیاق و سباق سے ہٹ کر پیش کیا گیا ہو، یہ صرف اس لیے نقصان دہ ہونا بند نہیں ہو جاتے کہ انہیں کسی تسلیم شدہ نیوز روم کے بجائے کیمرے والے کسی ایک فرد نے بنایا ہے۔ میں اس شعبے میں کام کرنے والوں سے التجا کروں گا، اور میں پریس سے گزارش کروں گا کہ وہ ان کی تربیت اور رہنمائی میں مدد کریں، تاکہ وہ اپنے آپ کو تصدیق کے اسی معیار پر قائم رکھیں، حقیقت اور رائے کے درمیان اسی فرق پر پورا اتریں، جس کا میں نے اس ایوان میں موجود ہر شخص سے تقاضا کیا ہے۔ سامعین کی تعداد اس سچائی کا معیار نہیں ہے جو انہیں بتائی جاتی ہے، اور ایک ایسی نسل جو تقریباً مکمل طور پر ان پلیٹ فارمز کے ذریعے باخبر ہو رہی ہے، وہ ایسی رپورٹنگ کی مستحق ہے جو اس ذمہ داری کا احترام کرے، نہ کہ محض شیئر کرنے کے لیے بنائے گئے مواد کی۔ یہ تبدیلی اس پیشے کے لیے آسان نہیں رہی۔ تربیت یافتہ رپورٹرز جنہوں نے نیوز روم میں کیریئر بنانے میں دہائیاں گزاریں، اب دیکھتے ہیں کہ سامعین، اور اکثر اشتہارات کی آمدنی جو کبھی ان کی کفالت کرتی تھی، ایسے پلیٹ فارمز پر منتقل ہو گئی ہے جو ایک بالکل مختلف قسم کے مواد کے لیے بنائے گئے ہیں۔ نامور میڈیا ہاؤسز نے عملے کو کم کر دیا ہے اور بیوروز کو محدود کر دیا ہے کیونکہ پرانا معاشی ماڈل، جو پرنٹ کی گردش اور براڈ کاسٹ اشتہارات پر مبنی تھا، کسی آن لائن مساوی ماڈل سے تبدیل نہیں ہوا۔ اس کا نتیجہ اکثر یہ نکلتا ہے کہ عملے سے کم وسائل میں زیادہ کام کرنے کو کہا جاتا ہے، ان ادارہ جاتی تحفظات، خدمات کے اعتراف، اس ایسوسی ایشن کی رکنیت کے جو روایتی پریس نے دہائیوں کے دوران آہستہ آہستہ بنائی، اور اس طے شدہ جواب کے بغیر کہ اس نئے منظر نامے میں کون صحافی ہے اور کون نہیں۔ اس خلا کو پر کرنا، تاکہ تجربہ کار، تربیت یافتہ صحافت کو ان نئے فارمیٹس میں ایک پائیدار مقام مل سکے بجائے اس کے کہ انہیں ان سے الگ تھلگ کر دیا جائے، ان آنے والے سالوں میں اس پیشے کو درپیش حقیقی چیلنجوں میں سے ایک ہے۔ خواتین و حضرات! کسی ملک کے ادارے اور اس کا پریس فطری حریف نہیں ہیں۔ ان کا مقصد شہریوں کی مشترکہ خدمت میں ایک دوسرے کا احتساب کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ سیمینار، حسین نقی صاحب جیسے محترم صحافی کی صدارت میں، اور آج یہاں جمع ہونے والے بارتبہ مقررین کے ساتھ، ایک ایسا راستہ متعین کرے گا جو صحافت کی آزادی اور اس کے ساتھ منسلک ذمہ داری دونوں کو مضبوط کرے گا۔

میں کراچی یونین آف جرنلسٹس اور نیشنل ٹریڈ یونین فیڈریشن کا اس موقع کے لیے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس سیمینار کی مکمل کامیابی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

آزاد جموں وکشمیر میں شہری آزادیوں پر بڑھتی ہوئی پابندیاں

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ کا خلاصہ

تعارف

پاکستانی انتظام کے تحت ایک نیم خودمختار خطہ، آزاد جموں وکشمیر (اے جے کے) حکمرانی، سیاسی نمائندگی اور عوامی اعتماد کے بڑھتے ہوئے بحران کے درمیان 2026ء میں داخل ہوا۔ دیرینہ معاشی شکایات احتساب، آئینی اصلاحات اور بہتر سیاسی نمائندگی کے وسیع تر مطالبات میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

جموں کشمیر جوائنٹ عوامی ایکشن کمیٹی (JAAC) مطالبات کے لیے بنیادی پلیٹ فارم کے طور پر سامنے آئی۔ حکومت اور جاک کے درمیان اکتوبر 2025ء کے معاہدے پر عمل درآمد سے متعلق تنازعات، نیز آزاد کشمیر کی قانون ساز اسمبلی میں مہاجرین کے لیے مخصوص 12 نشستوں کی حیثیت، سیاسی تصادم کا مرکزی نقطہ بن گئی۔ 2026ء کے پہلے پانچ مہینوں کے دوران جاک اور حکومت کے درمیان مذاکرات وقفے وقفے سے جاری رہے، لیکن بقایا مسائل حل نہ ہو سکے۔

30 مئی 2026ء کو مذاکرات کی ناکامی، 5 جون کو جاک پر پابندی، اس کے رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف بعد میں ہونے والا کریک ڈاؤن، نقل وحرکت اور مواصلات پر پابندیاں، اور اس کے بعد پیدا ہونے والی بے چینی جیسے واقعات عین اس وقت پیش آئے جب ایک شدید متنازعہ قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ہونے تھے۔ شدید سیاسی کشیدگی کے تناظر میں، الیکشن کمیشن نے 5 جون کو انتخابی شیڈول کا اعلان کیا، جس میں ابتدا میں قانون ساز اسمبلی کی تمام 45 نشستوں کے لیے 27 جولائی کو پولنگ کی تاریخ مقرر کی گئی۔ بعد میں اس شیڈول میں ترمیم کی گئی اور سیکیورٹی خدشات کے باعث پولنگ متعدد مراحل میں کرائی گئی۔ اگرچہ آزاد کشمیر میں مقامی حکومتوں کے انتخابات اس سے قبل تین مرحلوں میں منعقد ہو چکے تھے، تاہم یہ پہلا موقع تھا کہ عام انتخابات ایک مرحلہ وار عمل کے ذریعے منعقد کیے گئے۔ انتخابی دھاندلی کے الزامات، سیاسی بائیکاٹ، تشدد، گرفتاریوں اور رکاوٹوں نے بنیادی حقوق کے استعمال اور انتخابی عمل کے مصدقہ اور ہمہ گیر ہونے پر مزید سوالات اٹھائے۔

اس پس منظر میں، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے 8 سے 10 اگست 2026ء تک ایک فیکٹ فائنڈنگ اور انتخابی جائزہ مشن بھیجا، جس سے قبل 31 جولائی 2026ء کو اسلام آباد میں شراکت داروں کی ایک مشاورت منعقد کی گئی تھی۔ اس مشن نے دھیرکوٹ، حویلی اور باغ کا سفر کیا، جس میں ایچ آر سی پی کی کو-چیئر منیزے جہانگیر، ایچ آر سی پی کونسل کے ارکان فرحت اللہ بابر، ناصر زیدی اور سعدیہ بخاری، اور آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک صحافی شامل تھے۔

مشن نے سیاسی و انسانی حقوق کی صورت حال، اختلاف رائے پر حکام کے ردعمل اور انتخابات کا جائزہ لیا۔ رپورٹ اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ شہری کس حد تک اپنے حقوق کا آزادانہ اور معنی خیز استعمال کرنے کے قابل تھے، اور کیا سیاسی وانتخابی عمل نے نمائندگی، احتساب، آئینی اختیار اور جمہوری حکمرانی سے متعلق آزاد کشمیر کے دیرینہ خدشات کو دور کرنے کے لیے ایک معتبر راستہ فراہم کیا۔

پس منظر

آزاد کشمیر میں موجودہ سیاسی بحران معیشت اور حکمرانی سے متعلق خدشات پر 2023ء میں شروع ہونے والے عوامی احتجاج کے پس منظر میں پیدا ہوا۔ اہم مطالبات میں بجلی اور آٹے سمیت ضروری اشیائے خورد ونوش کی مناسب قیمتوں پر فراہمی؛ سیاسی و انتظامی اشرافیہ کی مراعات اور اخراجات میں کمی؛ اور مقامی وسائل پر زیادہ عوامی کنٹرول شامل تھا۔ 2024ء اور 2025ء میں ہونے والے احتجاج کے جواب میں، آزاد کشمیر حکومت نے رینجرز سمیت پیراملٹری فورسز کی تعیناتی کی درخواست کی (باوجود اس کے کہ جاک کے ساتھ وقفے وقفے سے مذاکرات جاری تھے)۔ مظاہرین اور سیکیورٹی فورسز کے درمیان پرتشدد جھڑپوں کے نتیجے میں کم از کم 12 افراد ہلاک ہوئے، جن میں سیکیورٹی اہلکار بھی شامل تھے۔ وقت کے ساتھ، مطالبات میں وسعت آئی اور ان میں احتساب، سیاسی نمائندگی، نظم ونسق میں اصلاحات اور سیاسی اقتدار کی تقسیم میں تبدیلیاں شامل ہو گئیں۔

جاک، جو بنیادی طور پر تاجروں، ٹرانسپورٹرز، طلباء، وکلاء اور سیاسی کارکنوں پر مشتمل ایک سول سوسائٹی اتحاد ہے، ان مطالبات کے لیے بنیادی پلیٹ فارم کے طور پر ابھرا۔ مئی 2024ء میں بڑی عوامی تحاریک کے بعد، جاک اور آزاد کشمیر حکومت کے درمیان مذاکرات کے نتیجے میں اکتوبر 2025ء میں ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے میں جاک کی جانب سے اٹھائے گئے 38 مطالبات کو 90 دنوں کے اندر حل کرنے کا عزم شامل تھا۔ بعد میں اس کے عمل درآمد پر شدید اختلاف رائے پیدا ہوا۔ حکومت کا موقف تھا کہ زیادہ تر مطالبات پورے کر دیے گئے ہیں یا ان پر عمل درآمد جاری ہے، جبکہ جاک نے اس موقف سے اختلاف کیا اور ان مسائل کو اجاگر کرنا جاری رکھا جنہیں وہ غیر حل شدہ سمجھتی تھی۔

فروری 2026ء میں، جاک نے مظفرآباد کی طرف لانگ مارچ کا اعلان کیا، جس کی تاریخ 9 جون مقرر کی گئی۔ اعلان کے باوجود، 30 مئی تک باضابطہ مذاکرات شروع نہ ہو سکے۔ مئی کے دوران مذاکرات میں تیزی آئی لیکن بالآخر وہ کسی نئے معاہدے تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ اس کے بعد جاک نے اعلان کیا کہ وہ اپنا احتجاج جاری رکھے گی، جس میں ہڑتال اور مظفرآباد کی طرف لانگ مارچ شامل ہے۔

5 جون 2026ء کو، آزاد کشمیر حکومت نے اے جے کے اینٹی ٹیررازم ایکٹ 2014ء کے تحت جاک کو کالعدم قرار دے دیا۔ اس نے سیکیورٹی اور انتظامی اقدامات کا ایک سلسلہ بھی متعارف کرایا، جن میں نقل وحرکت اور سیاحت پر پابندیاں اور پورے خطے میں موبائل انٹرنیٹ سروسز کی معطلی شامل تھی۔ آزاد کشمیر میں موجود سیاحوں کو فوری طور پر خطہ چھوڑنے کا مشورہ دیا گیا، اور آنے والے زائرین کو ہدایت کی گئی کہ وہ اگلی اطلاع تک سفر کا منصوبہ نہ بنائیں۔ حکومت نے ان اقدامات کی بنیاد امن وامان اور سیکیورٹی کے خدشات کو قرار دیا۔

طریقہ کار

ایچ آر سی پی نے آزاد کشمیر میں سیاسی صورت حال اور انسانی حقوق کی مبینہ خلاف ورزیوں پر نظر رکھی، خاص طور پر 30 مئی 2026ء کے بعد جاک اور آزاد کشمیر حکومت کے درمیان کشیدگی میں اضافے کے بعد۔ فیکٹ فائنڈنگ مشن نے آزاد کشمیر کی صورت حال کی باقاعدہ نگرانی، زمینی حقائق پر مبنی تحقیقات، انٹرویوز، دستاویزی شواہد، اسلام آباد میں شراکت داروں کے گول میز اجلاس، اور بعد میں انتخابی مشاہداتی مشق سے مواد حاصل کیا۔ ان طریقوں کو انسانی حقوق کی صورت حال، احتجاج اور اختلاف رائے پر حکام کے ردعمل، اور وسیع تر انتخابی ماحول کا جائزہ لینے کے لیے استعمال کیا گیا۔

مشن نے مختلف اسٹیک ہولڈرز سے ملاقاتیں کیں، جن میں سول سوسائٹی کے نمائندے، صحافی، وکلاء، سیاسی شخصیات، انتخابی حکام، قانون نافذ کرنے والے اہلکار، اور متاثرہ برادریاں، نیز جہاں ممکن ہو سکا، احتجاج کے دوران ہلاک یا زخمی ہونے والے افراد کے اہل خانہ بھی شامل تھے۔ مشن نے طاقت کے استعمال، گرفتاریوں، نقل وحرکت اور مواصلات پر پابندیوں، شہری ومعاشی سرگرمیوں میں خلل، اور انتخابی عمل پر تشدد وسیاسی کشیدگی کے اثرات کے بارے میں معلومات ریکارڈ کیں۔

انٹرویوز اور بنیادی حقائق پر مبنی مشاہدات کے ذریعے جمع کی گئی معلومات کی، جہاں ممکن ہو سکا، سرکاری ریکارڈز، انتخابی دستاویزات، حکومتی بیانات، میڈیا رپورٹس اور دیگر آزاد ذرائع سے تصدیق کی گئی۔ خاص طور پر، تصدیق شدہ معلومات، الزامات، اور حکومت، جاک ودیگر فریقین کی جانب سے پیش کردہ متضاد موقف کے درمیان فرق کرنے کا خیال رکھا گیا۔ حالات کی بدلتی ہوئی نوعیت اور بعض علاقوں اور ریکارڈز تک محدود رسائی کے پیش نظر، اس رپورٹ میں پیش کیے گئے نتائج ان معلومات پر مبنی ہیں جن کی ایچ آر سی پی اس رپورٹ کی حتمی تدوین تک آزادانہ تصدیق کر سکا۔

مشن کے ضوابط کار

مشن کے ضوابط درج ذیل تھے:

- 2026ء کے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کے تناظر میں

آزاد کشمیر میں انسانی حقوق کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لینا۔

- زندگی، آزادی، شخصی سلامتی، پرامن اجتماع، نقل و حرکت، اظہارِ رائے کی آزادی، معلومات تک رسائی اور سیاسی شمولیت کے حقوق کی خلاف ورزیوں کے الزامات کو قلم بند کرنا۔
- احتجاج اور انتخابی تشدد کے دوران رپورٹ ہونے والی ہلاکتوں اور زخمی ہونے کے واقعات کے حالات، بشمول قانون نافذ کرنے والے اداروں اور سیکیورٹی ایجنسیوں کی جانب سے طاقت کے استعمال کے الزامات کا جائزہ لینا (ملکی قوانین اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے معیار کی پاسداری کے تناظر میں)۔
- شہری آزادیوں، انتخابی شرکت اور معلومات تک رسائی پر انٹرنیٹ اور ٹیلی کمیونیکیشن کی پابندیوں کے اثرات کا جائزہ لینا۔
- انسدادِ دہشت گردی کے قانون کے تحت جاک کو کالعدم قرار دیے جانے کے اجتماع کی آزادی اور سیاسی شرکت پر اثرات کا جائزہ لینا۔
- اس بات کا جائزہ لینا کہ آیا غالب سیکیورٹی ماحول نے امیدواروں، سیاسی جماعتوں اور ووٹرز کی انتخابی عمل میں آزادانہ طور پر حصہ لینے کی صلاحیت کو متاثر کیا۔

مشاہدات اور تجزیہ

مجموعی طور پر، مشن کے انٹرویوز سے بحران کے دیگر پہلوؤں پر شدید اختلافات کے باوجود ایک نقطے پر نمایاں اتفاقِ رائے سامنے آتا ہے: یہ کہ بنیادی سیاسی تنازع کو بالآخر سیاسی ذرائع سے ہی حل کیا جانا چاہیے تھا۔ اس خیال کا اظہار جاک کی حمایت کرنے والے شہریوں، اس کے طریقوں سے اختلاف کرنے والی سیاسی شخصیات، باغ کے میئر اور آزاد کشمیر کے سابق وزیرِ اعظم سردار عتیق احمد خان نے کیا۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے عوامی خدمات اور معاشی سرگرمیوں میں خلل ڈالنے پر جاک پر شدید تنقید کی، انھوں نے بھی تسلیم کیا کہ اس کی کچھ بنیادی شکایات جائز تھیں اور انہیں صرف طاقت کے ذریعے حل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے برعکس، جاک کی حمایت کرنے والوں نے حکومت کے ردِعمل کو دیرینہ عوامی خدشات کو دور کرنے میں سیاسی اداروں کی ناکامی کا ثبوت قرار دیا۔

مشن نے انتخابات کے سیاسی بائیکاٹ اور پولنگ میں رکاوٹ کے درمیان ایک اہم فرق کی بھی نشاندہی کی۔ جن پولنگ مقامات کا دورہ کیا گیا وہاں انتخابی عملے نے عام طور پر بتایا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں کامیاب رہے اور ووٹرز کو پولنگ اسٹیشنوں پر آنے سے نہیں روکا گیا۔ کچھ علاقوں میں کم ٹرن آؤٹ مظاہرین کی جانب سے منظم دھمکیوں کے بجائے رضاکارانہ بائیکاٹ، سیاسی مایوسی، خوف اور مواصلات کی بندش و سیکیورٹی ماحول کے وسیع تر اثرات کا نتیجہ معلوم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی، سیکیورٹی اہلکاروں کی بڑی تعداد میں تعیناتی، راولاکوٹ اور دیگر حلقوں میں پولنگ کے التوا، اور انتخابات کے مرحلہ وار انعقاد نے اس سیاسی اور نفسیاتی ماحول کو متاثر کیا جس میں ووٹرز اور امیدواروں نے حصہ لیا۔

لہٰذا مشن کے مشاہدات ایک پیچیدہ اور شدید دھڑے بندے والی صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہیں جسے کسی ایک بیانیے کے ذریعے درست طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت اور سیکیورٹی حکام نے اس بحران کو ایک منظم مسلح چیلنج قرار دیا جس کے لیے وسیع سیکیورٹی اقدامات کی ضرورت تھی، جبکہ جاک کے حامیوں اور متعدد سیاسی اداکاروں نے اسے بنیادی طور پر ایک سیاسی تحریک کے طور پر دیکھا جس کی شکایات کا جواب انتہائی طاقت کے ساتھ دیا گیا۔ صحافیوں نے ریاست اور جاک کے حامیوں دونوں کی طرف سے دباؤ کی اطلاع دی، جبکہ انٹرنیٹ سروسز کی طویل معطلی نے معاشرے کے متعدد شعبوں کو متاثر کیا۔ انتخابی حکام نے پولنگ کے لیے ضروری بنیادی انتظامی عمل کو برقرار رکھا لیکن وہ اہم سیکیورٹی اور مواصلاتی رکاوٹوں کے اندر کام کر رہے تھے۔ اسی وقت، شہریوں نے انٹرنیٹ اور موبائل فون سروسز کی معطلی، حکمرانی، سیاسی نمائندگی اور بنیادی تنازع کو حل کرنے میں سیاسی اداروں کی ناکامی پر تشویش کا اظہار جاری رکھا۔

مشن کے نتائج بتاتے ہیں کہ انتخابی عمل غیر حل شدہ سیاسی شکایات، بڑھتی ہوئے عدم تحفظ، مواصلات پر پابندیوں اور آزادانہ جائزے پر اہم حدود کے حامل ماحول میں ہوا۔ یہ حالات، بذاتِ خود، یہ ثابت نہیں کرتے کہ انتخابات میں منظم انداز میں دھاندلی کی گئی تھی یا ووٹرز کو اپنے حقوق کا استعمال کرنے سے منظم طریقے سے روکا گیا تھا۔ تاہم، یہ اس بات پر جائز خدشات پیدا کرتے ہیں کہ تمام شہری اور سیاسی افراد کس حد تک آزادانہ، باخبر اور معنی خیز سیاسی انتخاب کے لیے سازگار ماحول میں حصہ لینے کے قابل تھے۔

ماحصل

مشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ آزاد کشمیر میں 2026ء کا بحران دیرینہ سیاسی و سماجی واقتصادی شکایات، ادارہ جاتی عدم اعتماد، حکمرانی کے فقدان اور ریاست کے انتہائی جارحانہ ردِعمل، بشمول طاقت کے غیر متناسب استعمال کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ جاک کی نوعیت، تشدد کے پیمانے و اسباب، اور سیکیورٹی فورسز کے طرزِ عمل پر آرا میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن سیاسی اور کمیونٹی کے فریقین کے مابین اس بات کا وسیع اعتراف موجود تھا کہ بنیادی شکایات کا سیاسی جواب ضروری تھا۔ مسلسل بات چیت کے بجائے جبر پر مبنی اقدامات کا سہارا لینے سے تقسیم مزید گہری ہوئی اور عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچی۔

انتخابات سے ہٹ کر اس بحران کے حقوق و آزادیوں پر شدید اثرات مرتب ہوئے ہیں، بشمول جینے کا حق، آزادی اور شخصی سلامتی؛ اظہارِ رائے کی آزادی، پرامن اجتماع اور انجمن سازی؛ نقل و حرکت کی آزادی؛ معلومات تک رسائی؛ اور عوامی امور میں شرکت۔ انٹرنیٹ اور موبائل کی طویل بندش، نقل و حرکت پر پابندیوں، ضروری اشیاء اور صحت کی دیکھ بھال تک رسائی میں خلل، فعال کارکنوں اور صحافیوں کی گرفتاری و حراست، اور انسدادِ دہشت گردی و احتیاطی حراست کے قوانین کا استعمال مجموعی طور پر آزاد کشمیر میں شہری آزادیوں میں کمی کا باعث بنے۔

مشن کو خاص طور پر مظاہرین کے خلاف طاقت کے مہلک اور بے جا استعمال کے الزامات پر تشویش ہے۔ اگرچہ حکام نے سیکیورٹی اہلکاروں کی ہلاکتوں کے اعداد و شمار فراہم کیے — بشمول آئی جی پی کا بیان کہ جون سے اب تک تقریباً 38 سیکیورٹی اہلکار ہلاک اور 742 پولیس اہلکار زخمی ہوئے — تاہم، مشن کو عام شہریوں کی ہلاکتوں اور زخمیوں کی تعداد کے بارے میں مساوی طور پر مستند معلومات موصول نہیں ہوئیں۔ اسے ایسے متعدد بیانات موصول ہوئے جن میں الزام لگایا گیا تھا کہ سیکیورٹی فورسز کے ہاتھوں مظاہرین ہلاک یا شدید زخمی ہوئے، لیکن وہ ان کے مکمل پیمانے یا حالات کی آزادانہ تصدیق نہیں کر سکا، خاص طور پر راولاکوٹ میں جہاں رسائی ممکن نہیں تھی۔ یہ حدود تمام ہلاکتوں اور شدید زخمیوں کی فوری، آزادانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کی ضرورت کو اجاگر کرتی ہیں، بشمول اس کے کہ آیا طاقت کا استعمال قانونی، ضروری اور متناسب تھا۔

مشن کو سیاسی کارکنوں، صحافیوں اور مظاہروں سے جڑے دیگر افراد کی بلاجواز یا غیر دستاویز شدہ گرفتاریوں اور حراست کی اطلاعات پر بھی تشویش ہے۔ جاک کے کم از کم 147 فعال کارکنوں کو فورتھ شیڈول میں ڈالنا، اور بعد میں مزید نام شامل کرنے کی اطلاعات، اور سیاسی اختلاف رائے میں ملوث افراد کے خلاف انسدادِ دہشت گردی کے قانون کا استعمال ضرورت اور تناسب پر سنگین سوالات اٹھاتا ہے۔ انسدادِ دہشت گردی اور امتناعی حراست کے اختیارات کو پرامن سیاسی سرگرمیوں کو جرم قرار دینے کے لیے استعمال نہیں کیا جانا چاہیے اور انہیں سخت قانونی تحفظات، عدالتی نگرانی اور مؤثر علاج کے تابع رہنا چاہیے۔

صحافت اور معلومات تک رسائی پر پابندیوں نے شہری آزادیوں کو مزید محدود کر دیا۔ صحافیوں کے خلاف گرفتاریوں اور قانونی کارروائی، متاثرہ علاقوں تک رسائی پر پابندیاں، سیکیورٹی کے خصوصی تقاضوں اور مواصلات کی طویل بندش نے آزادانہ رپورٹنگ کو شدید طور پر محدود کر دیا۔ مشن کو جاک کے حامیوں کی طرف سے ان صحافیوں کے خلاف دباؤ کے الزامات بھی موصول ہوئے جن کی رپورٹنگ کو ناگوار سمجھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ ایک ایسے وقت میں آزادانہ رپورٹنگ میں نمایاں کمی کی صورت میں نکلا جب ہلاکتوں، گرفتاریوں، طاقت کے استعمال اور انتخابی عمل کے بارے میں قابلِ اعتماد معلومات انتہائی ضروری تھیں۔

مواصلات کی بندش نے بینکاری، تعلیم، تجارت، ٹرانسپورٹ، پبلک ایڈمنسٹریشن اور صحت کی دیکھ بھال کو بھی متاثر کیا۔ اس کے دورانیے اور جغرافیائی دائرہ کار نے اس کی قانونی حیثیت، ضرورت اور تناسب سے متعلق سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔ امن و امان یا سیکیورٹی کے مقاصد کے لیے مواصلات پر عائد پابندیوں کی واضح قانونی بنیاد ہونی چاہیے اور یہ کسی جائز مقصد کے لیے سخت ضرورت اور تناسب کے مطابق ہونی چاہئیں۔

انتخابات اسی محدود شہری ماحول میں منعقد کیے گئے۔ جنس پولنگ اسٹیشنوں کا دورہ کیا گیا، وہاں مشن کو جاک کے حامیوں کی طرف سے ووٹرز پر منظم دباؤ کے محدود شواہد ملے اور اس نے مشاہدہ کیا کہ کچھ علاقوں میں کم ٹرن آؤٹ رضاکارانہ بائیکاٹ، سیاسی

مایوسی اور عدم تحفظ کا عکاس معلوم ہوتا ہے۔ تاہم، یہ انتخابی کے معتبر ہونے سے متعلق وسیع تر خدشات کو حل نہیں کرتا۔ بھاری سیکیورٹی کی تعیناتی، مواصلاتی پابندیوں، اہم سیاسی شخصیات کے بائیکاٹ، مرحلہ وار پولنگ، ملتوی شدہ حلقوں اور بے قاعدگیوں کے الزامات نے ان حالات کو متاثر کیا جن میں شہریوں نے اپنے سیاسی حقوق کا استعمال کیا۔ مشن کی راولاکوٹ تک رسائی میں ناکامی نے انتخابی تنازع کے مرکزی واقعات کی آزادانہ تشخیص کو مزید محدود کر دیا۔

- انتخابات کا معتبر ہونا نہ صرف پولنگ کے انعقاد پر بلکہ اس وسیع تر ماحول پر بھی منحصر ہے جس میں ووٹرز، امیدوار، سیاسی جماعتیں، صحافی اور سول سوسائٹی اپنے حقوق کا استعمال کر سکتے ہیں۔ لہٰذا 2026ء کے انتخابی عمل کا جائزہ ان پابندیوں اور مبینہ خلاف ورزیوں کے تناظر میں لیا جانا چاہیے جو اس سے پہلے اور اس کے ساتھ ساتھ ہوئیں۔

ایچ آر سی پی کے نزدیک، مجموعی شواہد ریاست کے ردعمل کی قانونی حیثیت اور تناسب، بشمول مبینہ غیر قانونی ہلاکتیں اور انتہائی طاقت کا استعمال، گرفتاریوں اور حراست، انسدادِ دہشت گردی اور احتیاطی حراست کی قانون سازی کے استعمال، پرامن اجتماع اور نقل وحرکت پر پابندیوں، اور آزادانہ صحافت و مواصلات پر قدغنوں کی آزادانہ تحقیقات کا تقاضہ کرتے ہیں۔ انتخابی عمل کی آزادانہ تحقیقات، نیز بائیکاٹ کے اثرات، سیکیورٹی پابندیوں، مواصلات کی بندش، مرحلہ وار پولنگ اور ملتوی شدہ حلقوں کے سیاسی شرکت اور انتخابی ساکھ پر اثرات کا جائزہ لینا بھی اتنا ہی ضروری ہے۔

سفارشات

اپنے نتائج کی روشنی میں، مشن درج ذیل سفارشات پیش کرتا ہے:

- ہلاکتوں، زخمیوں اور انسانی حقوق کی مبینہ خلاف ورزیوں کی تحقیقات کی جائیں: تمام فریقین کے لیے قابلِ قبول ایک آزاد اور غیر جانبدارانہ طریقہ کار جون 2026ء سے اب تک کے تمام بڑے واقعات، بشمول ہلاکتوں، زخمیوں، مبینہ غیر قانونی قتل، طاقت کے بے جا استعمال، بلاجواز حراست اور دیگر رپورٹ شدہ خلاف ورزیوں کی تحقیقات کرے۔ تحقیقات میں مظاہرین، متاثرین کے خاندانوں، صحافیوں، سول سوسائٹی، سیاسی نمائندوں، پولیس اور دیگر ریاستی اداروں کا موقف سنا جانا چاہیے۔ اس کے نتائج کو عام کیا جانا چاہیے اور اس کے بعد مناسب قانونی و ادارہ جاتی کارروائی کی جانی چاہیے۔ جہاں شواہد سے انفرادی ذمہ داری ثابت ہو، وہاں ریاستی اہلکاروں اور مظاہرین دونوں کا احتساب ہونا چاہیے۔
- قانون کے معین طریقہ کار کے تحت سلوک کو یقینی بنانا اور احتجاج کے نتیجے میں درج کیے گئے مقدمات کا جائزہ لینا: احتجاج کے سلسلے میں گرفتار کیے گئے ہر شخص کو فوری طور پر مجاز عدالت میں پیش کیا جائے، گرفتاری کی وجوہات سے آگاہ کیا جائے اور قانونی کونسل تک رسائی دی جائے۔ کسی بھی شخص کو الگ تھلگ حراست میں نہ رکھا جائے۔ مظاہرین، کارکنوں، صحافیوں اور سیاسی کارکنوں کے خلاف مقدمات کا آزادانہ جائزہ لیا جائے، اور محض پرامن سیاسی سرگرمی، حکومتی پالیسیوں پر تنقید یا قانونی اجتماع کی وجہ سے حراست میں لیے گئے یا وہ افراد جن پر مقدمہ چلائے گئے ہیں، کو رہا کیا جائے اور مقدمات واپس لیے جائیں۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو پرامن اختلاف رائے اور تشدد یا دیگر قابلِ دست اندازی جرائم پر مبنی رویے کے درمیان فرق کرنا چاہیے۔
- انسدادِ دہشت گردی اور امتناعی حراست کی شقوں کے استعمال کا جائزہ: جاک کو کالعدم قرار دینے اور اس کے اراکین کے خلاف انسدادِ دہشت گردی کی قانون سازی کے بعد کے استعمال کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ فورتھ شیڈول کی فہرستیں اور دیگر واچ لسٹ یا امتناعی حراست کے اقدامات مخصوص شواہد پر مبنی ہونے چاہئیں، متاثرہ افراد کو ان سے آگاہ کیا جانا چاہیے اور انہیں قانون کے معین طریقہ کار کے تحت سلوک، عدالتی نگرانی اور مؤثر تلافیوں کے تابع ہونا چاہیے۔ سیاسی تحریکوں کو صرف اس لیے سیکیورٹی خطرہ نہیں سمجھا جانا چاہیے کہ وہ عوامی شکایات کی نمائندگی کرتی ہیں۔
- اظہارِ رائے کی آزادی، پرامن اجتماع اور آزاد صحافت کا تحفظ: سیاسی جماعتوں، سول سوسائٹی کی تنظیموں، صحافیوں اور شہریوں کو دھمکی، ہراسانی یا اجتماعی سزا کے بغیر شکایات کا اظہار کرنے، پرامن طور پر منظم ہونے اور عوامی امور پر رپورٹنگ کرنے کے قابل ہونا چاہیے۔ صحافیوں کو احتجاج اور تنازعات سے متاثرہ علاقوں تک رسائی حاصل ہونی چاہیے، جو صرف محدود اور قانونی سیکیورٹی پابندیوں کے تابع ہو، اور جائز صحافتی سرگرمی پر گرفتاری یا انسدادِ دہشت گردی کی کارروائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ حکومت کو غیر ریاستی عناصر کے دباؤ یا دھمکیوں سے بھی صحافیوں کا تحفظ کرنا چاہیے۔
- مواصلات اور نقل وحرکت پر غیر متناسب پابندیوں کا خاتمہ: انٹرنیٹ یا موبائل سروسز کی کسی بھی معطلی کی واضح قانونی بنیاد ہونی چاہیے اور یہ ضرورت، تناسب اور متعین دورانیے کے تقاضوں کو پورا کرے، جس میں آزادانہ نگرانی اور نظرِثانی کے راستے شامل ہوں۔ نقل وحرکت پر غیر ضروری پابندیاں واپس لی جائیں۔ آزاد سیلولر آپریٹرز کو آزاد کشمیر میں کام کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ مقابلے کی فضاء کو فروغ دیا جا سکے اور اسپیشل کمیونیکیشنز آرگنائزیشن (ایس سی او) پر انحصار کم کیا جا سکے، جہاں یہ قابلِ اطلاق قانون اور سیکیورٹی تقاضوں کے مطابق ہو۔
- بنیادی اشیاء، صحت کی دیکھ بھال، تعلیم اور روزگار تک رسائی کا تحفظ: سیکیورٹی اقدامات اور پابندیوں کے باعث خوراک، ادویات، ہسپتالوں، تعلیم، بینکنگ، ٹرانسپورٹ یا روزگار تک رسائی میں غیر ضروری طور پر رکاوٹ نہیں پڑنی چاہیے۔ ہلاک ہونے والوں کے خاندانوں اور شدید زخمی ہونے والے افراد کو قانونی چارہ جوئی کے ان کے حق کو متاثر کیے بغیر مناسب معاوضے، طبی دیکھ بھال اور بحالی تک رسائی حاصل ہونی چاہیے۔
- بنیادی شکایات پر ایک ہمہ گیر سیاسی مکالمے کا آغاز کیا جائے: حکومت کو ایک وسیع بنیاد پر اور منظم مکالمے کا انعقاد کرنا چاہیے جس میں جاک کے نمائندے، سیاسی جماعتیں، منتخب نمائندے، وکلاء، سول سوسائٹی، صحافی اور دیگر متعلقہ فریقین شامل ہوں۔ اس عمل کو نظم ونسق، سرکاری اخراجات اور مراعات، احتساب، خدمات کی فراہمی، سیاسی نمائندگی اور آزاد کشمیر کے منتخب اداروں اور علاقے سے باہر کے حکام کے درمیان تعلقات سے متعلق خدشات کو دور کرنا چاہیے۔ جائز سیاسی مطالبات کو عارضی مراعات کے بجائے شفاف ادارہ جاتی اصلاحات کے ذریعے حل کیا جانا چاہیے جس کے بعد نیا تصادم نہ ہو۔
- سیاسی تنازعات کے حل کے لیے ایک مستقل طریقہ کار کا قیام: آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کو اجتماعی طور پر ایک مستقل، ہمہ گیر مشاورت کا طریقہ کار تشکیل دینا چاہیے تاکہ بڑے سیاسی، معاشی اور آئینی خدشات کو طویل ہڑتالوں، ناکہ بندیوں یا پرتشدد تصادم میں تبدیل ہونے سے پہلے حل کیا جا سکے۔ اس کی ساخت اور مینڈیٹ کا تعین نہ صرف خطے کی سیاسی جماعتوں بلکہ اس کی سول سوسائٹی، سماجی تحریکوں اور دیگر فریقین کے ساتھ وسیع تر مشاورت کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ ایسا طریقہ کار احتجاج، مذاکرات اور جابرانہ ردعمل کے بار بار دہرائے جانے والے سلسلوں کا ایک ادارہ جاتی متبادل فراہم کر سکتا ہے۔
- مہاجرین کی 12 نشستوں کا معاملہ آئینی اور ہمہ گیر طریقے سے حل کیا جائے: مہاجرین کی 12 نشستوں کی حیثیت کو آئینی طور پر طے شدہ عمل اور معنی خیز سیاسی و عوامی مشاورت، ممکنہ طور پر ایک کثیر فریقی کانفرنس، کے ذریعے حل کیا جانا چاہیے۔ سیاسی نمائندگی میں کشمیری مہاجرین کے جائز مفادات کا تحفظ کیا جانا چاہیے جبکہ مقامی نمائندگی اور حکومت سازی کے لیے ان نشستوں کے اثرات سے متعلق خدشات کا کھلے عام جائزہ لیا جائے۔
- 2026ء کے انتخابی عمل کا آزادانہ جائزہ لیا جائے: الیکشن کمیشن کو 2026ء کے انتخابات، جن کی ساکھ پر سوالات اٹھائے گئے ہیں، کا جامع جائزہ لینا چاہیے۔ اس جائزے میں ووٹر اور امیدوار کی شرکت پر تشدد، مواصلاتی پابندیوں، سیکیورٹی تعیناتی، بائیکاٹ، مرحلہ وار پولنگ اور ملتوی شدہ حلقوں کے اثرات کا معائنہ کیا جانا چاہیے۔ اس میں انتخابی بے قاعدگیوں کے الزامات کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے اور اس بات کی تشخیص کی جانی چاہیے کہ آیا مجموعی ماحول نے شہریوں کو آزادانہ، مساوی اور معنی خیز انداز میں حصہ لینے کے قابل بنایا۔

خاموشی تکلیف دہ ہے: انسانی حقوق کے نظام کے ذریعے کام کی جگہ پر ہراسانی کا تدارک

میمونہ سحر

کام کی جگہ ایسی ہونی چاہیے جہاں افراد تذلیل، دھمکی یا امتیازی سلوک کے خوف کے بغیر اپنی مہارتوں، علم اور تجربے کا اظہار اور استعمال کر سکیں۔ تاہم، پاکستان میں بہت سے ملازمین کے لیے کام کی جگہ پیشہ ورانہ ترقی کے بجائے ذہنی اذیت اور پریشانی کا باعث بن چکی ہے۔ ہراسانی، اقربا پروری، بدمعاشی (bullying)، کردار کشی، اختیارات کا ناجائز استعمال اور کام کی جگہ پر حسد جیسے رویے مسلسل کارکنوں کے وقار کو مجروح کر رہے ہیں۔ یہ مسائل مردوں اور خواتین دونوں کو متاثر کرتے ہیں اور اکثر ان کی رپورٹ نہیں کی جاتی کیونکہ متاثرین انتقامی کارروائی، ملازمت سے ہاتھ دھونے یا اپنی پیشہ ورانہ ساکھ کو نقصان پہنچنے کے خوف کا شکار ہوتے ہیں۔ خاموشی کو کبھی بھی رضامندی یا قبولیت نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ یہ اکثر خوف کا نتیجہ ہوتی ہے، اور انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی کے لیے پرعزم معاشرے میں خوف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین ہر شہری کے وقار کے تحفظ کے لیے ایک واضح بنیاد فراہم کرتا ہے۔ آرٹیکل 9 زندگی اور آزادی کے حق کی ضمانت دیتا ہے؛ اعلیٰ عدالتوں نے اس تصور کی تشریح کرتے ہوئے اس میں تحفظ اور وقار کے ساتھ جینے کا حق بھی شامل کیا ہے۔ آرٹیکل 14 قرار دیتا ہے کہ ہر فرد کا وقار ناقابلِ پامالی ہے، جبکہ آرٹیکل 25 قانون کی نظر میں مساوات اور بلا امتیاز مساوی تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ مزید برآں، آرٹیکل 37(e) ریاست کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ کام کے منصفانہ اور انسانی وقار کے مطابق حالات کو یقینی بنائے۔ یہ آئینی ضمانتیں محض علامتی نظریات نہیں ہیں، بلکہ یہ ایسے لازمی اصول ہیں جنہیں ملک کے ہر سرکاری اور نجی ادارے کے لیے رہنما اصول کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔

پاکستان نے کام کی جگہ پر بدسلوکی اور نامناسب رویوں سے نمٹنے کے لیے قانونی تحفظات بھی وضع کیے ہیں۔ 'کام کی جگہ پر خواتین کو ہراساں کیے جانے کے خلاف تحفظ کا قانون، 2010' جسے بعد میں کی گئی ترامیم کے ذریعے مزید مضبوط بنایا گیا، کام کی جگہ پر ہراسانی کی روک تھام اور اس کے تدارک کے لیے مؤثر طریقہ کار وضع کرتا ہے۔ لیبر قوانین، پیشہ ورانہ تحفظ کے ضوابط اور سرکاری ملازمت کے قواعد آجروں کے لیے لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ کام کا ایسا ماحول فراہم کریں جو محفوظ اور باعزت ہو اور جس میں کسی قسم کا امتیازی سلوک نہ برتا جائے۔ اگرچہ یہ قانونی تحفظات موجود ہیں، لیکن ان کی افادیت کا انحصار ان کے مخلصانہ نفاذ پر ہے۔ نفاذ کے بغیر پالیسیاں محض کاغذی کارروائی بن کر رہ جاتی ہیں، جبکہ متاثرین خاموشی سے مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ تنظیموں کو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ کام کی جگہ پر زہریلے یا منفی کلچر کے بھاری نقصانات ہوتے ہیں۔ جب میرٹ کی جگہ اقربا پروری لے لیتی ہے اور ادارے باصلاحیت ملازمین سے محروم ہو جاتے ہیں، تو دفتری سیاست پیشہ ورانہ رویے پر حاوی ہو جاتی ہے، پیداواری صلاحیت گھٹ جاتی ہے اور عوام کا اعتماد مجروح ہوتا ہے۔ ایسے کام کے ماحول کی تشکیل کے لیے جہاں ملازمین اپنی مکمل صلاحیتوں کے مطابق کام کر سکیں، اخلاقی قیادت، شکایات کے لیے خفیہ نظام، شفاف فیصلہ سازی اور بدعنوانی یا غلط رویے پر احتساب ناگزیر ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ باہمی احترام کے کلچر کو فروغ دینا بھی اتنا ہی اہم ہے جس میں ہر ملازم کے ساتھ، قطع نظر اس کے عہدے یا جنس کے، وقار اور انصاف پر مبنی سلوک کیا جائے۔ کام کی جگہ پر انسانی حقوق کا تحفظ محض ایک قانونی ذمہ داری نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاقی اور ادارہ جاتی تقاضا بھی ہے۔ ہر ملازم ایسے ماحول میں کام کرنے کا حقدار ہے جہاں اہلیت کی قدر کی جائے، باہمی احترام قائم ہو اور انصاف کی فراہمی ممکن ہو۔ آئینی اصولوں کی پاسداری، لیبر قوانین کا ان کی روح اور الفاظ کے مطابق نفاذ، اور ہراسانی کی کسی بھی شکل کو برداشت نہ کرنے کے ذریعے پاکستان ایسے کام کے مقامات تشکیل دے سکتا ہے جو انسانی وقار کو برقرار رکھیں اور ایک زیادہ منصفانہ اور خوشحال معاشرے کے قیام میں اپنا کردار ادا کریں۔

میمونہ سحر جی آئی ایس اور آرٹیفیشل انٹیلی جنس کی ماہر، انسانی حقوق کی سرگرم کارکن ہیں، اور جغرافیائی ٹیکنالوجی، ڈیزاسٹر رسک مینجمنٹ، آثارِ قدیمہ اور ڈیجیٹل جدت طرازی کے شعبوں میں برسوں کا تجربہ رکھتی ہیں۔ ان سے
com.mamoonasaher_gis@hotmail
پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

مہاجرین اور پناہ گزین

اقوام متحدہ کے دفتر برائے انسداد منشیات و جرائم (یو این او ڈی سی) اور عالمی ادارہ برائے مہاجرت (آئی او ایم) نے خبردار کیا ہے کہ ایران اور پاکستان سے وطن واپس آنے والے افغان مہاجرین کو انسانی سمگلنگ، جبری مشقت اور استحصال کے بڑھتے ہوئے خطرات کا سامنا ہے۔ انسانی سمگلنگ کے خلاف 30 جولائی کو منائے جانے والے عالمی دن کے موقع پر دونوں اداروں نے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ ایسے بہت سے لوگ واپسی کے بعد جن علاقوں میں پہنچ رہے ہیں وہ پہلے ہی غربت، بنیادی سہولتوں کی کمی اور شدید معاشی دباؤ کا شکار ہیں جس کے باعث ان کے استحصال کا خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ خواتین، بچے، اندرون ملک بے گھر افراد اور وطن واپس لوٹنے والے مہاجرین انسانی سمگلنگ اور بدسلوکی کے حوالے سے کہیں زیادہ خطرات کا سامنا کرتے ہیں۔ دونوں اداروں نے مہاجرین اور سمگلنگ کے متاثرین کو تحفظ دینے کے لیے مربوط اور موثر اقدامات پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ خطرات کا شکار افراد کی بروقت نشاندہی، انہیں بہتر حفاظت اور امداد کی فراہمی کے علاوہ قانون نافذ کرنے والے اداروں اور نظام انصاف کے درمیان موثر تعاون کو یقینی بنایا جانا ضروری ہے۔

مہاجرین کی واپسی

'یو این او ڈی سی' اور 'آئی او ایم' نے حکومتوں اور امدادی شراکت داروں پر زور دیا ہے کہ وہ انسانی سمگلنگ کے خطرات سے متعلق شہریوں میں آگاہی پیدا کریں۔ خصوصاً ان علاقوں میں ایسا کرنا ضروری ہے جہاں شدید معاشی اور سماجی مشکلات پائی جاتی ہیں۔ یہ انتباہ ایسے وقت سامنے آیا ہے جب افغانستان میں ہمسایہ ممالک سے بڑی تعداد میں شہری واپس آ رہے ہیں۔ مہاجرین کی واپسی نے پہلے سے جاری انسانی اور معاشی بحران کا سامنا کرنے والی مقامی افغان آبادی پر مزید دباؤ ڈال دیا ہے جس کے نتیجے میں بہت سے خاندان محدود آمدنی، رہائش کے مسائل اور بنیادی سہولتوں کی کمی سے دوچار ہیں۔ اداروں کا کہنا ہے کہ اس خطرے پر قابو پانے کے لیے انسانی سمگلنگ کی بنیادی وجوہات کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ انہوں نے روزگار کے مواقع میں اضافے، تعلیم تک بہتر رسائی اور بنیادی خدمات کی فراہمی کو مضبوط بنانے پر زور دیا ہے تاکہ لوگوں کو استحصالی حالات کا شکار ہونے سے بچایا جا سکے۔

کثیرالفریقی حل

بیان میں کہا گیا ہے کہ واپس آنے والے بہت سے مہاجر خاندان مستقل رہائش، آمدنی اور سماجی تعاون سے محروم ہوتے ہیں۔ اگر خاندان بکھر جائیں یا انہیں غیر رسمی روزگار اور امدادی ذرائع پر انحصار کرنا پڑے تو خواتین اور بچوں کو مزید سنگین خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ دونوں اداروں نے زور دیا ہے کہ اکیلے افغانستان کے لیے انسانی سمگلنگ کے مسئلے پر قابو پانا ممکن نہیں۔ اداروں نے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ وطن واپس آنے والے افغان شہریوں کو درست معلومات، بنیادی سہولتوں اور موثر حفاظتی نظام تک رسائی دی جائے تاکہ وہ اپنی زندگی دوبارہ باوقار انداز میں شروع کر سکیں۔

یہ انتباہ افغانستان کو درپیش وسیع تر انسانی بحران کی بھی عکاسی کرتا ہے، جہاں غربت، نقل مکانی اور محدود معاشی مواقع بہت سے کمزور اور بے سہارا افراد کو جرائم پیشہ گروہوں کے خطرے سے دوچار کر دیتے ہیں۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

توہینِ مذہب کے الزامات میں اضافہ، گلگت بلتستان میں امن اور بقائے باہمی کے لیے بڑھتا ہوا چیلنج

اسرارالدین اسرار

گلگت بلتستان میں توہینِ مذہب سے متعلق مقدمات کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک نہایت تشویشناک رجحان کے طور پر سامنے آ رہی ہے۔ یہ صورتحال محض قانونی نوعیت کے چیلنجز کی عکاسی نہیں کرتی بلکہ اس خطے میں بڑھتی ہوئی سماجی کشیدگی کی بھی نشاندہی کرتی ہے، جو تاریخی طور پر مذہبی و مسلکی تنوع، رواداری اور پُرامن بقائے باہمی کے حوالے سے معروف رہا ہے۔ پولیس ریکارڈ کے مطابق 2024 میں توہینِ مذہب کے 30 مقدمات رپورٹ ہوئے، جبکہ یہ تعداد 2025 میں بڑھ کر 52 ہو گئی۔ مختصر عرصے میں مقدمات کی تعداد میں یہ نمایاں اضافہ معاشرے میں بڑھتی ہوئی عدم برداشت کی جانب ایک تشویشناک اشارہ ہے اور اس صورتحال سے نمٹنے کے لیے ایک متوازن، حساس اور انسانی حقوق پر مبنی حکمتِ عملی کی فوری ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

گلگت بلتستان میں مسلمانوں کی آبادی مختلف مسالک پر مشتمل ہے، جن میں سنی، شیعہ، اسماعیلی اور نوربخشی شامل ہیں۔ اگرچہ ان مقدمات میں رپورٹ ہونے والے تمام متاثرین کا تعلق مسلم برادری سے ہے، تاہم زیادہ تر مقدمات سنی اور شیعہ برادریوں کے افراد کے خلاف درج ہوئے ہیں۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اسماعیلی برادری کی طرف سے کوئی مقدمہ رپورٹ نہیں ہوا، تاہم مجموعی صورتحال یہ ظاہر کرتی ہے کہ گلگت بلتستان میں بسنے والے تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے افراد اس نوعیت کے الزامات کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ کسی ایک مسلک تک محدود نہیں بلکہ اس کے اثرات وسیع اور غیر امتیازی نوعیت کے ہیں۔

سال 2026 کے حالیہ واقعات بھی اس معاملے کی حساسیت کو واضح کرتے ہیں۔ 23 فروری 2026 کو پامیر ٹائمز نے رپورٹ کیا کہ گلگت بلتستان کی نگران کابینہ نے توہینِ مذہب سے متعلق ایک ایسے واقعے پر شدید تشویش کا اظہار کیا جس سے عوام میں بے چینی پیدا ہوئی تھی۔ نگران وزیرِ داخلہ ساجد علی بیگ نے بتایا کہ ایک مشتبہ شخص مبینہ طور پر عراق میں موجود تھا جبکہ دوسرے کی گرفتاری کے لیے کوششیں جاری تھیں۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ حکومت قانون کے مطابق کارروائی کرے گی اور ساتھ ہی امن و امان کو برقرار رکھا جائے گا۔

اس کے چند روز بعد، 26 فروری 2026 کو ڈان نے رپورٹ کیا کہ گلگت میں پولیس نے سوشل میڈیا پر مبینہ توہین آمیز مواد شیئر کرنے کے الزام میں چار افراد کو گرفتار کیا۔ اس واقعے کے بعد احتجاجی مظاہرے ہوئے، جن کے دوران قراقرم ہائی وے بھی بند کی گئی، تاہم حکام کی جانب سے یقین دہانیوں کے بعد مظاہرین منتشر ہو گئے۔ پولیس نے متعلقہ دفعات کے تحت مقدمات درج کرتے ہوئے ''زیرو ٹالرنس'' پالیسی کے تحت کارروائی شروع کی، جس میں پاکستان پینل کوڈ اور انسدادِ دہشت گردی ایکٹ کی دفعات بھی شامل تھیں۔

گلگت بلتستان کی اس صورتحال کو پاکستان میں سامنے آنے والے وسیع تر رجحان کے تناظر میں بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔ 2024 میں کریسچن ڈیلی انٹرنیشنل–مارننگ اسٹار نیوز نے سینٹر فار سوشل جسٹس کے حوالے سے رپورٹ کیا کہ پاکستان بھر میں توہینِ مذہب کے 344 مقدمات درج ہوئے، جو اب تک کی بلند ترین تعداد تھی۔ رپورٹ کے مطابق 70 فیصد ملزمان مسلمان تھے، جبکہ 2024 میں ایسے الزامات کے نتیجے میں 10 افراد کے ماورائے عدالت قتل بھی رپورٹ ہوئے۔ 1994 سے 2024 کے دوران ایسے واقعات میں مجموعی طور پر 104 افراد کے ماورائے عدالت قتل کی نشاندہی کی گئی، جو اس معاملے کے سنگین انسانی حقوق کے پہلو کو نمایاں کرتا ہے۔

گلگت بلتستان میں توہینِ مذہب کے مقدمات میں اضافے کے پیچھے کئی عوامل کارفرما دکھائی دیتے ہیں۔ سب سے اہم عنصر سوشل میڈیا کے ذریعے معلومات کا تیزی سے پھیلاؤ ہے۔ واٹس ایپ، فیس بک یا ٹک ٹاک پر شیئر کیا جانے والا کوئی مواد، جو سیاق و سباق سے ہٹا ہوا ہو یا غلط سمجھا گیا ہو، بہت تیزی سے اشتعال اور عوامی ردعمل کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسرا اہم عنصر خطے کا مسلکی تنوع ہے۔ اگرچہ یہ تنوع صدیوں سے یہاں کی ثقافتی شناخت کا اہم حصہ رہا ہے، لیکن مسلکی کشیدگی کی صورت میں الزامات کو تنازعات یا اختلافات کے آلے کے طور پر بھی استعمال کیے جانے کا خدشہ موجود ہے۔ تیسرا عنصر قانونی تحفظات کی کمزوری اور تحقیقات میں تاخیر ہے، جس کے باعث بعض اوقات عوام کا ریاستی اداروں اور نظامِ انصاف پر اعتماد متاثر ہوتا ہے اور لوگ قانونی طریقہ کار پر بھروسہ کرنے کے بجائے ہجوم کی صورت میں کارروائی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ چوتھا عنصر پاکستان کے دیگر علاقوں میں نظر آنے والے ہجوم کی جانب سے انصاف کرنے کے رجحان اور انتہا پسندی کا بڑھنا ہے، جس کے اثرات گلگت بلتستان میں بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں، جہاں افواہیں اور غیر مصدقہ معلومات تیزی سے کشیدگی میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔

انسانی حقوق کے نقطۂ نظر سے ایسے مقدمات میں اضافہ انتہائی سنگین خدشات کو جنم دیتا ہے۔ منصفانہ ٹرائل کا حق متاثر ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے جبکہ مذہبی آزادی اور اظہارِ رائے کی آزادی بھی دباؤ کا شکار ہو سکتی ہے۔ کسی شخص کے خلاف صرف ایک غیر ثابت شدہ الزام بھی اس کے سماجی بائیکاٹ، جبری نقل مکانی یا تشدد کا سبب بن سکتا ہے۔ کمزور طبقات اور مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے افراد خود کو مزید غیر محفوظ محسوس کر سکتے ہیں، جس سے معاشرتی تقسیم گہری ہونے کا خدشہ ہے۔

گلگت بلتستان کے لیے یہ صورتحال اس لیے بھی زیادہ اہم ہے کہ یہ خطہ طویل عرصے سے نسبتاً پُرامن معاشرے کے طور پر جانا جاتا رہا ہے، جہاں مختلف برادریاں اور مسالک باہمی احترام کے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ توہینِ مذہب کے مقدمات میں اضافہ اس سماجی روایت کے لیے ایک سنجیدہ چیلنج ہے۔ یہ صورتحال اس بات کی بھی عکاسی کرتی ہے کہ ملک کی سطح پر پھیلنے والے انتہا پسندانہ بیانیے، غلط معلومات اور پولرائزیشن کے اثرات مقامی سطح پر موجود روایتی تنازعات کے حل کے نظام کو کمزور کر رہے ہیں۔

اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے ایک جامع اور مقامی حالات سے ہم آہنگ حکمتِ عملی کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ریاست کو ہجوم کے تشدد کے خلاف سخت کارروائی کو یقینی بنانا ہوگا اور واضح کرنا ہوگا کہ کسی بھی شخص یا گروہ کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ دوسرا، سوشل میڈیا پر نفرت انگیز تقاریر اور اشتعال انگیز مواد کے مؤثر تدارک اور نگرانی کے ساتھ ساتھ عوامی آگاہی مہمات شروع کی جانی چاہئیں تاکہ غیر مصدقہ معلومات کی ترسیل کی حوصلہ شکنی ہو۔ تیسرا، قانونی اصلاحات اور طریقہ کار سے متعلق حفاظتی اقدامات کو مضبوط بنایا جانا چاہیے تاکہ توہینِ مذہب کے قوانین کے ممکنہ غلط استعمال کو روکا جا سکے اور گرفتاری یا دیگر کارروائی سے قبل الزامات کی غیر جانب دارانہ اور مکمل تحقیقات یقینی بنائی جائیں۔ چوتھا، بین المسالک مکالمے اور کمیونٹی سطح پر امن سازی کے اقدامات کو دوبارہ فعال کیا جانا چاہیے تاکہ باہمی اعتماد بحال ہو اور بقائے باہمی کو فروغ ملے۔ آخر میں پولیس اور انتظامیہ کی استعدادِ کار میں اضافہ ضروری ہے تاکہ ایسے حساس مقدمات کو بروقت، قانون کے مطابق اور انتہائی احتیاط کے ساتھ نمٹایا جا سکے۔

گلگت بلتستان میں توہینِ مذہب کے مقدمات میں اضافہ محض ایک قانونی مسئلہ نہیں بلکہ یہ معاشرتی تبدیلی، بڑھتی ہوئی پولرائزیشن، غلط معلومات اور حکمرانی کے مسائل کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ اگر اس رجحان پر بروقت توجہ نہ دی گئی تو یہ خطے کے سماجی ڈھانچے کو کمزور کرنے اور مزید عدم استحکام و انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا باعث بن سکتا ہے۔

امن، انصاف اور بقائے باہمی کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ ریاستی ادارے، مذہبی و مسلکی قیادت، سول سوسائٹی، میڈیا اور عوام مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کریں جہاں الزام کی جگہ قانون، اشتعال کی جگہ تحقیق، ہجوم کے انصاف کی جگہ باقاعدہ عدالتی عمل، اور نفرت کی جگہ مکالمہ کو ترجیح دی جائے۔ یہی متوازن اور انسانی حقوق پر مبنی طرزِ عمل گلگت بلتستان کے پرامن سماجی تشخص اور تمام شہریوں کے وقار کے تحفظ کی ضمانت بن سکتا ہے۔

لکھاری سماجی کارکن اور ایچ آر سی پی گلگت آفس کے کوآرڈینیٹر ہیں اور اکثر سماجی موضوعات پر مضامین لکھتے ہیں

دنیا کا امن, عالمی سازشوں کے نرغے میں

منور علی شاہد

گزشتہ کچھ سالوں سے امن کیساتھ جو کھلواڑ ہو رہا ہے وہ قابل مذمت اور باعث تشویش بھی ہے۔ عالمی سازشوں کا ایک ایسا جال عالمی سطح پر بچھا رکھا گیا ہے کہ تمام تر تدابیر و کوششیں ناکام ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ مفادات کے حصول کی اس عالمی کشمکش کے نتیجہ میں مختلف خطوں میں گروہوں کے درمیان اور ممالک میں جاری لڑائیوں نے امن کے خودساختہ عالمی اداروں اور شخصیات کے چہروں پر لگے مصنوعی امن پسندی کے ماسک اتار دیئے ہیں اور اصلی چہرے ننگے کر دیئے ہیں۔

جنگی محاذوں پر تباہ کن ہتھیاروں کی آگ کی نذر ہونے والے تمام فریقین کے سپاہی اور اندھا دھند بمباری کی بدولت گھروں میں بیٹھی فیملیز، دفاتر میں کام کرنے مرد و خواتین اور سکولوں میں پڑھنے والے بچے بچیاں سبھی خون سے نہلائے گئے اور تادم اس تحریر یہ سلسلہ جاری ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ عالمی طاقتیں جو اسلحہ کے بیوپاری بھی ہیں اس خوفناک حالات میں بھی اپنا امن پسندی کا کردار ادا کرنے کی بجائے منافقت کا ڈھول زور زور سے پیٹ رہی ہیں اور اسلحہ فروخت کر کے عالمی امن کو روند رہی ہیں اور منافع کما رہی ہیں جو انسانی جانوں کے نئے قبرستان آباد کرنے سے کمایا گیا۔ یہ سب کچھ قابل شرمناک ہے۔ 24 فروری 2023 سے روس یوکرین کی جنگ عالمی اداروں اور ممالک کے لئے قیام امن کے لئے ایک چیلنج بنی ہوئی تھی اس میں کامیابی تو دور کی بات رہی ایک اور جنگ بھی ایران پر امریکی حملے سے شروع ہو گئی جس کا آغاز بھی فروری کے مہینہ میں ہوا 28 فروری 2026 کو۔ جس کے اثرات دیکھتے ہی دیکھتے مشرق وسطی تک پھیل گئے جس نے بلاشبہ ایک چوتھی عالمی جنگ کی واضح جھلکیاں دنیا کو دکھا دیں۔۔ سچی اور غیر جانبدار بات تو۔ یہ کہ اس تمام صورتحال میں کسی بھی فریق ملک کو معصوم یا بیقصور یا کم، زیادہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ تمام ہی ممالک اپنی غیر منصفانہ پالیسیوں اور مختلف ممالک میں جنگی گروہ اس کے ذمہ دار ہیں جو ریاستوں کے کردار کی موجودگی میں اپنی الگ شناخت کے ساتھ دیگر ممالک سے الجھے ہوئے ہیں۔۔ یہ سیاسی چالبازیاں اور عالمی سازشیں ہی قرار دی جاسکتی ہیں جو کہ امن پسند حکمرانوں کو اقتدار میں لانے کے لئے طاقت کے بل بوتے اختیار کی جاتی ہیں جنہوں نے اب پوری دنیا کو جنگ کی بھٹی میں جھونک رکھا ہے اور خطے جنگ زدہ بنے ہوئے ہیں معصوم بیقصور شہری اور فوجی دونوں ہی ان جنگوں کا ایندھن بن کر رہ گئے ہیں اور قبرستانوں کو اباد کر رہے ہیں دوسری طرف آباد گھر اور شہر اجڑ رہے ہیں۔ فلسطین میں جس طرح لاکھوں معصوم فلسطینیوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح مارا گیا اس کی لرزہ خیز تفصیلات اقوام متحدہ اور دیگر اداروں کی رپورٹوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ہلاکتوں کی کہانیاں لرزہ خیز بھی ہیں اور عالمی اداروں کے منہ پر طمانچہ بھی، کہ وہ قیام امن کے میدان میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اگر عام شہریوں کی امن پسندی کی بات کی جائے تو یقینی طور سلوٹ کیا جانے چاہیے ان عام شہریوں کو جنہوں نے چھوٹے بڑے ہر ملک و شہر میں ان

جنگی محاذوں پر تباہ کن ہتھیاروں کی آگ کی نذر ہونے والے تمام فریقین کے سپاہی اور اندھا دھند بمباری کی بدولت گھروں میں بیٹھی فیملیز، دفاتر میں کام کرنے مرد و خواتین اور سکولوں میں پڑھنے والے بچے بچیاں سبھی خون سے نہلائے گئے اور تادم اس تحریر یہ سلسلہ جاری ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ عالمی طاقتیں جو اسلحہ کے بیوپاری بھی ہیں اس خوفناک حالات میں بھی اپنا امن پسندی کا کردار ادا کرنے کی بجائے منافقت کا ڈھول زور زور سے پیٹ رہی ہیں اور اسلحہ فروخت کر کے عالمی امن کو روند رہی ہیں اور منافع کما رہی ہیں جو انسانی جانوں کے نئے قبرستان آباد کرنے سے کمایا گیا۔

جنگوں اور بمباری کے خلاف بڑے بڑے جلوس نکال کر عالمی طاقتوں اور اسرائیل جیسی امن دشمن طاقتوں کی بھرپور مذمت کی۔ ایران پر حملوں کے خلاف سب زیادہ خود امریکہ کے اندر دیکھنے میں آیا ہے جس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ہر ملک امن چاہتا ہیں۔ لیکن اس امن کی راہ کی رکاوٹوں کو ختم کئے گئے بغیر قیام امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چھوٹے لیکن مضبوط مسلح گروپوں نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے اور قیام امن کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ فلسطین کے ساتھ اب تک کی لڑی گئی لڑائیوں میں معصوم لاکھوں فلسطینیوں کی شہادتوں میں حماس کے کردار کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ وہ برابر کی ذمہ دار ہے۔ فلسطین کے اندر دو متوازی حکومتوں کے قیام نے فلسطین کی کئی نسلوں کو ختم کر دیا ہے۔ خود فلسطین کے اندر مسلم قیادتوں کے درمیان اتفاق کے فقدان نے بھی مخالفین کو خونی ہولی کھیلنے کے مواقع فراہم کئے۔ یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ فلسطینیوں کے قتل عام میں اپنوں کے ہاتھ بھی خون سے رنگے ہوئے ہیں اللہ۔ باعث حیرت ہے کہ۔ جن ممالک کی فلسطین کے ساتھ سرحدیں ہی نہیں ملتی ان ممالک کی مداخلت نے بھی فلسطینی شہریوں کو گھروں کو ملیا میٹ کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مسلح اسلامی گروہوں کی سرپرستی کو بند کرنا خود اسلامی ممالک اور ان کے شہریوں کے وسیع تر مفاد میں ہے۔ عجب تماشا ہے کہ اسرائیل اور امریکہ ایران پر حملے کرتے ہیں دوسری طرف اسرائیل اور مشرق وسطی کے اسلامی ممالک ایران اور اس کے ہمنوا گروہوں کے حملوں کا نشانہ بنتے ہیں یہاں واضح طور پر فرقہ پرستی کی نفرت دکھائی دیتی ہے۔

فرقہ پرستی کی کانٹے دار راہ پر خون آلود سفر کرنے کی بجائے موٹروے پر تیز رفتار سفر جمہوریت کا سفر کیا جانا چاہیے۔ ریاست کے اندر متوازی ریاست کے قیام اور اس پر عمل داری نے خود اسلامی ممالک کو ان کے تصور سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے اور اس سے سبق سیکھنے کی اولین اور فوری ضرورت ہے۔ موجودہ حالات میں عالمی قوانین کی بھی پامالی ہی نہیں کی گئی بلکہ ان کی دھجیاں اڑائی گئیں ہیں۔ چونکہ عالمی طاقتیں آپس کے اختلافات ختم کرنے میں ناکام رہیں تو پھر سازشوں کے ذریعے دنیا کو جنگوں دھکیل دیا۔ روس اور چین دونوں ممالک بھی امن کے پیامبر کی بجائے اسلحہ کے بیوپاری کی شکل میں زیادہ فعال ہیں۔ اس وقت روس اور چین دونوں امریکہ سے حساب کتاب چکانے کے چکر میں دکھائی دیتے ہیں اور ایران کی ہر طرح کی فوجی امداد کر کے اس کو جنگ جاری رکھنے پر مجبور کر رکھا ہے جبکہ ایران کو اس کی قیمت اپنے انفراسٹرکچر کی مکمل تباہی کی شکل میں چکانا پڑ رہی ہے۔۔ پاکستان کی ثالثی کی کوششوں کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکالا نہ کبھی ایران نہ اس طرف سنجیدگی دکھائی تھی۔۔ بلکہ وہ دوسرے ممالک کے مشوروں پر زیادہ عمل کرتا دکھائی دیتا رہا۔

اس موجودہ جنگی صورتحال میں کوئی "برادرم" ملک نہیں ہے۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھانے کے چکر میں ہیں۔ پہلے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے پھر پیسے مانگے جاتے ہیں۔ یہ رنگ برنگے دفاعی معاہدے کتنے دیرپا ہوں گے اس کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔ تادم تحریر تو عالمی سطح پر سازشوں کے تانوں بانوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

اس وقت دور حاضر کی اولین اور فوری ضرورت یہ ہے کہ قیام اور فروغ امن کے لئے اٹھنے والی آوازوں کو سنا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔

لکھاری انسانی حقوق کے کارکن ہیں اور مختلف سماجی، سیاسی اور معاشی معاملات پر لکھتے رہتے ہیں۔

حب بارڈر پر روزانہ ٹریفک جام کا مسئلہ

فوری حل کا متقاضی

عبداللہ بلوچ

بلوچستان اور سندھ کی سرحد پر واقع دریائے حب پل بارڈر، جو بلوچستان کو کراچی اور ملک کے دیگر حصوں سے ملانے والی اہم شاہراہ ہے، گزشتہ کئی برسوں سے ایک ایسے مسئلے کا شکار ہے جس نے لاکھوں شہریوں، مسافروں، مریضوں، مزدوروں اور صنعتوں کو شدید مشکلات سے دوچار کر رکھا ہے۔

تقریباً 2015 سے یہ معمول بن چکا ہے کہ شام 5 کے بعد رینجرز اور کسٹم چیک پوسٹوں کے قریب کئی کئی گھنٹے طویل ٹریفک جام رہتا ہے۔

بعض اوقات یہ سلسلہ رات گئے تک جاری رہتا ہے، جس کے نتیجے میں ہزاروں گاڑیاں، مسافر کوچز، ٹرالر، ایمبولینسیں اور مقامی ٹریفک پھنس کر رہ جاتی ہیں۔

یہ مسئلہ صرف ٹریفک کی روانی کا نہیں بلکہ انسانی وقار، عوامی سہولت، معاشی سرگرمیوں اور بنیادی انسانی حقوق سے بھی جڑا ہوا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ چیک پوسٹوں کے اطراف مناسب جگہ کا نہ ہونا ہے، جہاں بڑی تعداد میں گاڑیوں کی جانچ پڑتال ممکن نہیں رہتی۔

دوسری جانب بلوچستان سے آنے والی سینکڑوں مسافر کوچز تقریباً ایک ہی وقت میں اس مقام پر پہنچتی ہیں۔ اسی دوران کراچی میں رات کے مخصوص اوقات میں داخل ہونے والے ہیوی ٹرالر بھی جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں، جبکہ اندرونِ بلوچستان جانے والی نائٹ کوچز بھی اسی روٹ سے گزرتی ہیں۔

اس مقام پر مغربی بائی پاس سے آنے والی بھاری ٹریفک کے لیے بھی مناسب گنجائش موجود نہیں۔ سڑک کے اطراف مختلف تعمیرات اور محدود جگہ کے باعث معمولی دباؤ بھی کئی کلومیٹر طویل ٹریفک جام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

جب سینکڑوں گاڑیاں ایک ساتھ موجود ہوں تو ڈرائیوروں کی جلد بازی، اوورٹیکنگ اور بے ترتیبی صورتحال کو مزید سنگین بنا دیتی ہے۔

یہ وہی راستہ ہے جہاں سے حب کے صنعتی علاقے کے ہزاروں مزدور روزانہ کراچی اور حب کے درمیان سفر کرتے ہیں۔ مختلف صنعتوں کی شفٹوں کی تبدیلی کے اوقات بھی اسی دوران ہوتے ہیں، جس سے ٹریفک کا دباؤ کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صنعتی اداروں نے اپنی سہولت کے لیے متبادل راستے اور پل تعمیر کیے، مگر عام شہری آج بھی اسی دیرینہ مشکل کا سامنا کر رہے ہیں۔

اس تمام صورتحال کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ٹریفک جام میں مریض، ایمبولینسیں، بزرگ، خواتین اور بچے بھی برابر متاثر ہوتے ہیں۔ کئی مرتبہ شدید بیمار افراد کو بروقت اسپتال پہنچانا ممکن نہیں رہتا۔ مقامی شہریوں کو کراچی سے بسوں میں آنے والے بچوں، خواتین اور بزرگوں کو کئی کلومیٹر پیدل چلنا پڑتا ہے۔ گرمی، پیاس، بھوک اور طویل انتظار ان کی روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔

انسانی حقوق کے کارکنوں، صحافیوں اور مقامی شہریوں نے برسوں سے اس مسئلے کی نشاندہی کی، مگر عملی اقدامات نہ ہونے کے برابر رہے۔

حالیہ دنوں میں ضلعی انتظامیہ کی جانب سے اس مسئلے کا جائزہ لینا اور متعلقہ اداروں کی توجہ اس طرف مبذول کرانا ایک مثبت پیش رفت ضرور ہے، مگر صرف معائنوں اور خطوط سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ عوام اب عملی اقدامات دیکھنا چاہتے ہیں۔

حفاظتی اقدامات ہر ریاست کی ضرورت ہیں اور رینجرز و کسٹم کی ذمہ داریاں اپنی جگہ اہم ہیں، لیکن عوام کو غیر ضروری اذیت پہنچائے بغیر بھی مؤثر سکیورٹی ممکن ہے۔ جدید ٹریفک مینجمنٹ، چیکنگ کے بہتر نظام، اضافی لینز، مناسب پارکنگ ایریاز، مرحلہ وار گاڑیوں کی جانچ، مختلف اوقات میں ٹریفک کی تقسیم اور متعلقہ اداروں کے درمیان مؤثر رابطہ ایسے اقدامات ہیں جن سے صورتحال میں نمایاں بہتری لائی جاسکتی ہے۔

حب بارڈر صرف دو صوبوں کو ملانے والا راستہ نہیں بلکہ بلوچستان کی معیشت، صنعت، تجارت اور لاکھوں شہریوں کی روزمرہ زندگی کی شہ رگ ہے۔ اگر یہاں روزانہ کئی کئی گھنٹے ٹریفک جام رہے گی تو اس کے اثرات صرف مسافروں تک محدود نہیں رہیں گے بلکہ تجارت، صنعت، صحت، تعلیم اور مجموعی اقتصادی سرگرمیوں پر بھی مرتب ہوں گے۔

امید کی جانی چاہیے کہ متعلقہ وفاقی اور صوبائی ادارے اس مسئلے کو محض ایک انتظامی رکاوٹ نہیں بلکہ ایک عوامی اور انسانی مسئلہ سمجھتے ہوئے فوری، مؤثر اور دیرپا اقدامات کریں تاکہ بلوچستان اور سندھ کے درمیان سفر محفوظ، باوقار اور آسان بنایا جاسکے۔ یہی عوامی مفاد، بہتر طرزِ حکمرانی اور ریاستی ذمہ داری کا تقاضا بھی ہے۔

یہاں ایک بڑی زیادتی اندرونی بلوچستان سے آنے والے مسافروں کے ساتھ ٹرانسپورٹرز روا رکھتے ہیں۔ روڈ جام ہونے کا بہانہ بنا کر مسافروں کو حب پہنچنے سے پہلے بسوں سے اتار دیتے ہیں۔ مسافر جب ٹیکسیوں کے ٹریفک جام سے نکلتے ہیں تو کراچی میں موچھ کو، ماڑیپور، سعید آباد، مہاجر کیمپ، شیر شاہ۔ سائٹ تھانوں کی پولیس کی تلاشیاں شروع ہو جاتی ہیں اور مسافروں کی تلاشی کے دوران ان کی رقوم غائب کر دی جاتی ہیں۔

عبداللہ بلوچ انسانی حقوق کے کارکن ہیں اور انسانی حقوق کے معاملات پر تواتر سے لکھتے رہتے ہیں۔

جانیے اقوام متحدہ اے آئی کے ذریعے کیسے انسانی حقوق پروان چڑھا رہی ہے؟

جمیکا میں چھ سالہ طالب علم آری کو سیکھنے میں مشکلات کا سامنا تھا لیکن اب مصنوعی ذہانت (اے آئی) نے اس کے لیے اپنے مخصوص انداز میں پڑھ کر سمجھنا آسان بنا دیا ہے۔اس ٹیکنالوجی کی بدولت ایتھوپیا میں سونے کی کان کنی کرنے والے مزدوروں میں تپ دق کی تیزی سے تشخیص ممکن ہوگئی ہے جبکہ دنیا بھر میں میتھین گیس کے اخراج کی نشاندہی سے لوگوں کو صاف ہوا میں سانس لینے کا موقع ملا ہے۔اقوام متحدہ کے مختلف ادارے امن، سلامتی اور انسانی حقوق کو فروغ دینے کے لیے مصنوعی ذہانت کے آلات سے کام لے رہے ہیں جبکہ ادارہ عالمی سطح پر اس ٹیکنالوجی کے بہتر انتظام سے متعلق جاری بحث کی قیادت بھی کر رہا ہے۔ جمیکا میں مصنوعی ذہانت کی مدد سے درسی کتابوں کو ایسے متعامل مواد میں تبدیل کیا جا رہا ہے جو ایسے بچوں کی مخصوص ضروریات کے مطابق تیار کیا جاتا ہے جنھیں سیکھنے میں مشکلات پیش آتی ہیں اور آری بھی اس ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھانے والوں میں شامل ہیں۔

خواندگی میں مددگار ٹیکنالوجی

عالمی ادارہ اطفال (یونیسف) میں تعلیم اور نوعمر افراد کی ترقی سے متعلق شعبے کی ڈائریکٹر پیار بیبلو بریتو نے یو این نیوز کو بتایا کہ آری جیسے بے شمار بچے اس بات کی مثال ہیں کہ جب ڈیجیٹل تعلیم تک ہر بچے کو رسائی دی جائے تو کیا کچھ ممکن ہے۔ یونیسف کے لیے مصنوعی ذہانت کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ ادارہ جن لوگوں کی مدد کرتا ہے، انہیں ٹیکنالوجی کی تیاری کے عمل کا مرکز بنایا جائے۔ ادارے نے وکالتی گروہوں کے ساتھ مل کر سب کے لیے قابل رسائی ڈیجیٹل درسی کتب کا منصوبہ تیار کیا ہے۔اس کا اے آئی سے معاونت یافتہ ورژن 17 ممالک میں کام کر رہا ہے اور اسے سیکھنے میں مشکلات کا سامنا کرنے والے 20 لاکھ بچوں تک رسائی ہے۔ 2030 تک اسے 50 ممالک تک توسیع دی جائے گی جبکہ رواں سال اب تک چھ ممالک اس پروگرام میں شامل ہو چکے ہیں۔

میتھین کے اخراج کی روک تھام

میتھین ان گیسوں میں شامل ہے جو عالمی حدت میں بڑے پیمانے پر اضافے کا باعث بنتی ہیں۔اقوام متحدہ کے ماحولیاتی پروگرام (یونیپ) میں شعبہ موسمیاتی تبدیلی کے ڈائریکٹر مارٹن کروز نے کہا ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں فکرمند ہونے والے ہر شخص کو عالمی حدت میں کمی لانے میں دلچسپی ہونی چاہیے اور میتھین کے اخراج کو روکنا اس حوالے سے ہنگامی بریک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یونیپ سیٹلائٹ سے حاصل ہونے والی معلومات کے ذریعے میتھین کے بڑے اخراج کا سراغ لگاتا اور حکومتوں اور کمپنیوں کو اس سے آگاہ کرتا ہے۔اس اقدام کے ذریعے 2024 سے اب تک پٹرول یا گیس سے چلنے والی دو کروڑ 40 لاکھ گاڑیوں سے خارج ہونے والی کاربن کے برابر میتھین کا اخراج روکنے میں مدد ملی ہے۔ مارٹن کروز کے مطابق میتھین کے اخراج کی نشاندہی میں مصنوعی ذہانت انسانوں کے مقابلے میں 12 سے 15 گنا زیادہ تیز اور درست ہے۔گزشتہ دو برس کے دوران یونیپ نے اس اخراج کے حوالے سے 500,7 انتباہ جاری کیے جن کے نتیجے میں میتھین کو روکنے کے لیے 42 اقدامات کیے گئے۔

تپ دق کی نشاندہی

عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کی معاونت سے ترقی پذیر ممالک تپ دق (ٹی بی) کی نشاندہی کے لیے سینے کے ایکسرے کا مصنوعی ذہانت کے ذریعے تجزیہ کر رہے ہیں۔اس سے ایسے علاقوں میں تیزی سے بیماری کی جانچ ممکن ہو رہی ہے جہاں ماہرین کی تعداد کم ہوتی ہے۔ادارے میں گرم خطوں کی بیماریوں پر تحقیق کے شعبے سے وابستہ ڈاکٹر وینیسا ویرونیز نے یو این نیوز کو بتایا کہ اس ٹیکنالوجی سے لوگوں کو تشخیص کے مختلف مراحل سے گزر کر علاج تک فوری رسائی میں مدد مل رہی ہے۔ بیماری کی جلد تشخیص کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس طرح متاثرہ افراد سے دوسروں تک انفیکشن منتقل ہونے کی شرح میں کمی آئے گی۔ڈاکٹر ویرونیز نے ایتھوپیا کی مثال دیتے ہوئے بتایا کہ وہاں سونے کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو گرد و غبار اور سیلیکا کے ذرات سے تپ دق لاحق ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔
تاہم یہ ٹیکنالوجی ان لوگوں میں تپ دق کے امکانات کی مکمل نشاندہی کر دیتی ہے جس سے ممکنہ مریضوں کو بیماری سے بچانا آسان ہو جاتا ہے۔
'ڈبلیو ایچ او' نے 2021 میں بالغ افراد میں تپ دق کی تشخیص کے لیے اس ٹیکنالوجی کے استعمال کی باضابطہ سفارش کی تھی جس کے بعد ترقی پذیر ممالک کو اسے اپنانے میں مدد فراہم کی جا رہی ہے۔

بحرانوں سے نمٹنے کی صلاحیت میں بہتری

اقوام متحدہ کے ادارے مصنوعی ذہانت کو بارودی سرنگوں کی نشاندہی، قدرتی آفات سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لینے، مشتبہ مالی لین دین کی نشاندہی، تابکار آلودگی کی نگرانی اور جوہری انشقاق پر تحقیق کو تیز کرنے کے لیے بھی استعمال کر رہے ہیں۔ ٹیکنالوجی میں پیش رفت کے ساتھ اقوام متحدہ مساوات، انسانی حقوق اور اخلاقیات پر بھی زور دے رہا ہے تاکہ مصنوعی ذہانت امن و جمہوریت کے لیے خطرہ بننے کے بجائے ترقی کے فروغ کا ذریعہ بنے۔اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتیرش مصنوعی ذہانت کو 21ویں صدی میں انسانیت کے لیے بیک وقت ترقی بہت بڑا موقع اور خطرہ قرار دے چکے ہیں۔انہوں نے اس ٹیکنالوجی کی جامع اور مشمولہ نگرانی پر زور دیتے ہوئے واضح کیا ہے کہ مصنوعی ذہانت کو انسانیت کا خدمتگار رہنا چاہیے نہ کہ انسانیت مصنوعی ذہانت کی خدمت کرے۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

33 ہاری بازیاب

سامارو پولیس اسٹیشن سامارو نے سیشن کورٹ عمر کوٹ میں درخواست گزار ماھو کولھی کی درخواست نمبر 958 / 026، زیر دفعہ Cr.P.C491 کے سلسلے میں زمیندار شاہنواز کالرو کی زمین سے مجموعی طور پر 33 افراد، جن میں مرد، خواتین اور بچے شامل ہیں بازیاب کرائے ہیں۔ عدالت نے بازیاب ہونے والے تمام ہاری افراد کو اپنی مرضی اور پسند کے مطابق آزاد زندگی گزارنے کی اجازت دے دی۔

(نامہ نگار)

مبینہ اغواء

عمرکوٹ 8اگست کوتحصیل کنری کے علاقے نبی سرروڈ شہر کے قریبی گوٹھ محمد شریف کپری کے رہائشی عبدالغفار کپری نے پولیس تھانہ نبی سر روڈ پر کپری برادری کے چار افراد عاقل، محمد حنیف، محمد رمضان اور پیر بخش کے خلاف اپنی دو بیٹیوں 18 سالہ ثانیہ اور 10 سالہ زوبیہ کے اغوا کا مقدمہ درج کراتے ہوئے مؤقف اختیار کہ وہ اپنی 18 سالا نوجوان بیٹی ثانیہ (جو کہ لمز یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے) یونیورسٹی کی طرف سے چھٹیاں ہونے پر چھوٹی بیٹی زوبیہ کے ہمراہ لیکر گوٹھ جارہا تھا کہ جھڈو نبی سر روڈ پرٹاور کے پاس مذکورہ افراد نے روک کر ہتھیاروں کے زور پر دونوں بیٹیوں کو اغوا کر کے نامعلوم مقام پر منتقل کردیا۔

ملزمان نے اس کی بیٹیوں کوشادی، فروخت یا کسی غلط مقصد کے لئے اغوا کیا ہے۔ مقدمے کے اندراج کے بعد نبی سر روڈ پولیس نے مختلف مقامات پر چھاپے مار کر ایک ملزم رمضان کپری کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ حاصل کرلیا۔ کنری پولیس نے 10 سالہ مغویہ زوبیہ کپری کو 10 اگست کو کنری شہر میں پیر بخش کپری کے گھر پر چھاپہ مار کر بازیاب کرانے کا دعویٰ کیا ہے۔ بچی کو عدالت میں بھی پیش کیا۔ عدالت نے بچی کی مرضی پر اسے والدین کے حوالے کر دیا۔ جبکہ دوسری جانب مغویہ ثانیہ کپری کا وڈیو بیان سوشل میڈیا پر منظر عام پر آیا۔ اس میں ثانیہ کہہ رہی ہے کہ اس نے نوجوان عاقل کپری سے سندھ ہائی کورٹ کراچی میں پسند کی شادی کی ہے۔ اسے کسی نے اغوا نہیں کیا۔ والدین نے اس کے اغوا کا جھوٹا مقدمہ درج کروایا ہے۔ اسے والدین سے جان کا خطرہ ہے۔ کنری پولیس کے مطابق واقعے کی ہر پہلو سے تفتیش جاری ہے۔

(نامہ نگار)

احتجاجی دھرنا

خیبر لنڈی کوتل خوگہ خیل کنڈاؤ خیل سے تعلق رکھنے والے تاجر محمد ظریف شنواری کے مبینہ اغوا کے خلاف اہلِ خانہ اور علاقائی مشران کا چرواڑگئی کے مقام پر پاک افغان شاہراہ پر احتجاجی دھرنا جاری ہے۔ مظاہرین نے شاہراہ ٹریفک کے لیے بند کرتے ہوئے مغوی تاجر کی بحفاظت بازیابی اور ملوث عناصر کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔

(مسعود شاہ)

جنگلات کی مبینہ غیر قانونی کٹائی جاری

خیبر کوکی خیل قومی مشران کے رکن ملک نصیر احمد کوکی خیل نے الزام عائد کیا ہے کہ ضلع خیبر کے علاقے تیراہ اور ضلع اورکزئی میں جنگلات کی مبینہ غیر قانونی کٹائی کا سلسلہ روزانہ کی بنیاد پر جاری ہے، جبکہ اس سنگین معاملے میں بعض سرکاری عناصر کے ملوث ہونے کے شواہد بھی موجود ہیں۔ میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے ملک نصیر احمد نے کہا کہ جنگلات کی بے دریغ کٹائی کے باعث علاقے کے قدرتی وسائل کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے، تاہم متعلقہ محکمہ جنگلات اس معاملے پر مؤثر کارروائی کرنے کے بجائے خاموش تماشائی بنا ہوا ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ جنگلات سے لکڑی لے جانے والی ہر گاڑی سے مبینہ طور پر 7 سے 8 ہزار روپے وصول کیے جا رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ذمہ دار اداروں کی جانب سے کارروائی نہیں کی جا رہی۔ ملک نصیر احمد کوکی خیل نے کہا کہ سابق وزیر اعظم عمران خان کے دور میں بلین ٹری سونامی منصوبے کے ذریعے بڑے پیمانے پر شجرکاری اور جنگلات کے تحفظ کے دعوے کیے گئے تھے، تاہم موجودہ صورتحال میں جنگلات کی کٹائی کا مبینہ سلسلہ ان اقدامات کے برعکس دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے صوبائی حکومت اور متعلقہ اداروں سے مطالبہ کیا کہ تیراہ اور اورکزئی میں جنگلات کی مبینہ غیر قانونی کٹائی کا فوری نوٹس لیا جائے اور معاملے کی شفاف اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں۔ قومی مشر نے کہا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ مبینہ طور پر اس غیر قانونی سرگرمی میں ملوث عناصر کے نام بھی عوام کے سامنے لائیں گے، تاکہ حقائق سامنے آسکیں اور ذمہ دار افراد کو قانون کے کٹہرے میں لایا جا سکے۔ ملک نصیر احمد نے جنگلات کی غیر قانونی کٹائی کو علاقے کے ماحول اور آنے والی نسلوں کے لیے سنگین خطرہ قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ مبینہ ٹمبر مافیا اور دیگر ملوث عناصر کے خلاف قانون کے مطابق سخت کارروائی کی جائے اور جنگلات کے تحفظ کے لیے مؤثر اقدامات یقینی بنائے جائیں۔

(مسعود شاہ)

موسمیاتی خطرے کی گھنٹی ہر سمت سے بج رہی ہے: سائمن سٹیل

دنیا بھر میں موسمیاتی تبدیلی سے جنم لینے والی آفات خوفناک حدود پار کر رہی ہیں جبکہ کوئلہ، تیل اور گیس جلانے سے ہونے والا نقصان روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اقوام متحدہ نے خبردار کیا ہے کہ موسمیاتی خطرے کا الارم ہر سمت سے بج رہا ہے اور اس پر توجہ دیتے ہوئے بہتری کے لیے فوری اقدامات ناگزیر ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی پر اقوام متحدہ کے فریم ورک کنونشن کے ایگزیکٹو سیکرٹری سائمن سٹیل نے کہا ہے کہ فرانس، سپین اور یورپ کے دیگر علاقوں میں بھڑکنے والی ریکارڈ توڑ جنگلاتی آگ نے لاکھوں لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا ہے اور علاقائی و قومی معیشتوں کو شدید دھچکا پہنچایا ہے۔ یہ آگ گرمی کی ہولناک لہروں کے بعد آئی ہے جنہوں نے زمین کو خشک بنا دیا۔ اس ہفتے درجہ حرارت میں مزید اضافے کی پیش گوئی کے ساتھ موسمیاتی بحران کی انسانی اور معاشی قیمت اب ملکی سطح کی ہنگامی صورت حال کے برابر ہو چکی ہے۔ شمالی افریقہ میں درجہ حرارت 49 ڈگری سینٹی گریڈ کے قریب پہنچ رہا ہے جس سے زندگیاں اور روزگار شدید خطرے میں ہیں جبکہ ہسپتالوں اور بجلی کے نظام پر بھی دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ چلی میں مہلک طوفانوں نے گھروں اور زندگیوں کو تباہ کر دیا ہے۔ جاپان میں بھی حدت کے نئے ریکارڈ قائم ہو رہے ہیں جہاں 40 ڈگری سینٹی گریڈ یا اس سے زیادہ درجہ حرارت کا طویل ترین سلسلہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔

موسمیاتی تباہی کے سائنسی شواہد

سائمن سٹیل کا کہنا ہے کہ یہ بڑھتی ہوئی آفات اب زمین پر اربوں انسانوں کے لیے روزمرہ حقیقت بن چکی ہیں جو تیزی سے مزید گرم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانیت اب بھی حیاتیاتی ایندھن سے ماحول دوست اور قابل تجدید توانائی کی طرف منتقلی اور جنگلات کے تحفظ کے لیے پیش رفت کی مطلوبہ رفتار سے بہت پیچھے ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ سائنسی شواہد بالکل واضح اور غیر مبہم ہیں۔ کوئلہ، تیل اور گیس کی بے تحاشا کھپت سے پیدا ہونے والی عالمی حدت گرمی کی طویل لہروں، شدید سیلاب اور تباہ کن طوفانوں کو پہلے سے کہیں زیادہ متواتر، شدید اور نقصان دہ بنا رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مسئلے کا حل بھی اتنا ہی واضح ہے: کوئلے، تیل اور گیس پر انحصار کو تیزی سے ختم کیا جانا چاہیے، قابل تجدید توانائی کے ذرائع کو بڑے پیمانے پر فروغ دیا جائے اور ان لوگوں کو تحفظ فراہم کیا جائے جو اس بحران کے بدترین اثرات کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان میں کمزور اور ترقی پذیر ممالک کہیں زیادہ نقصان اٹھا رہے ہیں جنہیں اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے مطلوبہ رفتار اور پیمانے پر مالی، تکنیکی اور عملی تعاون فراہم کرنا ضروری ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

شہریوں کو مشکلات کا سامنا

نوشکی نوشکی کے شہری 21 ویں صدی میں بھی بنیادی سہولیات کی عدم فراہمی سے 20 ویں صدی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ سڑکوں اور گلیوں کی بندش سے نوشکی کے شہریوں کو جن مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ تعلیمی اداروں اور دفاتر میں حاضریاں کم ہو رہی ہیں۔ تعلیمی ادارے اور دفاتر ویران نظر آرہے ہیں۔ راستوں کی بندش سے مریضوں اور بالخصوص ایمرجنسی مریضوں کو مراکز صحت تک رسائی میں تاخیر سے اموات واقع ہو رہی ہیں۔ ٹرانسپورٹ کا نظام تباہی سے دوچار ہے جس کی وجہ سے ٹرانسپورٹر مالی مصائب سے دوچار ہو رہے ہیں۔ گزشتہ ایک ماہ سے گیس پلانٹ سے گیس کی عدم فراہمی کے باعث صارفین اور بالخصوص خواتین کو امور خانہ داری کے سلسلے میں انتہائی مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ نوشکی کے دیہی علاقوں میں 21 گھنٹوں اور شہری علاقوں میں گھنٹوں لوڈ شیڈنگ کے علاوہ غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ سے کاروبار زندگی بری طرح متاثر اور کاروبار پر منفی اثرات سے غربت کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ امن امان کی صورتحال بھی غیر تسلی بخش ہے۔ قتل ڈکیتی اور اغوا کی بڑھتی ہوئی وارداتوں سے شہری عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ گزشتہ 7 ماہ سے نیشنل بینک کی بندش سے نوشکی ڈسٹرکٹ کے ہزاروں ملازمین پینشنرز کاروباری حلقوں اور تاجر برادری کو رقم کے لین دین تنخواہوں اور پینشن کے حصول کے لئے جن مشکلات مالی مصائب اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسکا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ 4 اگست سے نوشکی کے تمام مالیاتی اداروں سمیت نادرہ آفس کی بندش نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے۔ مالیاتی اداروں اور نادرہ آفس کی بندش نے نوشکی کے شہریوں کو کمپیوٹرائزڈ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے حصول اور دیگر امور کے سلسلے میں مشکلات اور دشواریوں سے دوچار کر دیا ہے۔ پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پر نصف درجن سے زائد چیک پوسٹوں کے علاوہ تین مقامات پر گزشتہ دو ماہ سے مین شاہراہ پر رکاوٹیں کھڑی کرنے سے ٹرانسپورٹروں اور مسافروں کو مشکلات اور وقت کے ضیاع سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کچے راستے کی وجہ سے ہیوی گاڑیوں، اور ایمبولینس سروس میں تاخیر کے باعث ایمرجنسی مریضوں کو بروقت طبی امداد کی رسائی میں تاخیر ہوتی ہیں پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پر رکاوٹوں کی وجہ سے نوشکی دالبندین چاغی تفتان نوکنڈی، ریکوڈک، سنیدک، ماشکیل خاران کے علاوہ ایران اور یورپ سے آنے والے زائرین اور سیاحوں کو بھی مشکلات پیش آتی ہیں۔ راستے کی دشواریوں کی وجہ سے نجی ادویات کی کمپنیوں کی گاڑیاں بھی نوشکی نہیں آپاتیں جس کی وجہ سے نجی میڈیکل اسٹورز میں ادویات کی ترسیل معمول کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے شہریوں کو ادویات کے حصول میں مشکلات کا سامنا ہے۔ ان حالات کی وجہ سے اقلیتی برادری سمیت نوشکی کے شہری نوشکی سے نقل مکانی کر رہے ہیں۔ روزگار اور کاروبار نہ ہونے کی وجہ سے نوشکی میں غربت کی شرح تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ دیہاڑی دار طبقہ نان شبینہ کا محتاج ہو گیا ہے۔ ان کے جھولے ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ معاشی صورتحال مزید ابتر ہو رہی ہے۔ نوشکی سے منتخب ہونے والے عوامی نمائندے قبائلی عمائدین سرکردہ سیاسی شخصیات بھی نوشکی سے کوئٹہ اور دیگر علاقوں میں سکونت اختیار کر رکھی ہے نوشکی کے غریب عوام کا کوئی پرسان حال نہیں ہے نوشکی کے منتخب عوامی نمائندے سیاسی جماعتوں کے قائدین اور قبائلی عمائدین نوشکی میں امن امان کے قیام شہریوں کو بنیادی سہولیات کی فراہمی اور دیگر مشکلات سے نجات دلانے کے لیے باہمی مشاورت سے حکام بالا سے ملاقات کر کے انھیں نوشکی کے شہریوں کو درپیش مشکلات دشواریوں اور مصائب سے آگاہ کرتے ہوئے شہریوں کو ریلیف دینے کے لیے اپنا مثبت کردار ادا کریں تاکہ نوشکی کے شہریوں کو بہتر سہولیات اور بنیادی سہولیات کی فراہمی میں حائل رکاوٹیں دور کی جاسکیں۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی شہریوں کے ساتھ ہونے والے ظلم کے خلاف آواز اٹھائیں۔

(محمد سعید)

جبری گمشدگیوں سے متعلق کمیشن کے دفتر کا قیام

پشاور اسلام آباد میں لاپتہ افراد کے لیے قائم کیے گئے کمیشن کی شاخ اب حیات آباد جوڈیشل کمپلیکس، پشاور میں بھی قائم کی گئی ہے، جہاں لاپتہ افراد کے اہلِ خانہ کو طلب کیا جاتا ہے۔ اطلاعات کے مطابق، بعض خاندانوں سے کہا جاتا ہے کہ ان کا کیس برسوں پہلے ہی ختم ہو چکا ہے، پھر انہیں ایک فارم دے کر دستخط لیے جاتے ہیں اور 50 لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا جاتا ہے، مگر خاندانوں کا کہنا ہے کہ انہیں رقم ادا کیے بغیر ہی کیس بند کر دیا جاتا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس ماں نے برسوں اپنے بیٹے کا انتظار کیا، جس باپ نے اپنے لاپتہ بیٹے کی راہ دیکھی، جس بہن نے اپنے بھائی کی واپسی کی امید نہیں چھوڑی، کیا ان کے پیارے کی زندگی اور حقیقت کو چند کاغذی کارروائیوں سے ختم کیا جاسکتا ہے؟ لاپتہ انسان کوئی فائل نہیں جسے بند کر دیا جائے، وہ کسی کا بیٹا، باپ، بھائی یا شوہر ہے۔ اسلام آباد سے حیات آباد تک اگر کمیشن کا مقصد واقعی انصاف ہے تو خاندانوں کو ان کے پیاروں کے بارے میں سچ، معلومات اور قانونی حق دیا جائے۔ اگر کوئی شخص زندہ ہے تو اسے عدالت کے سامنے پیش کیا جائے، اور اگر اس کے بارے میں کوئی حقیقت موجود ہے تو وہ اس کے خاندان اور قانون کے سامنے رکھی جائے۔ لاپتہ افراد کے اہلِ خانہ کسی بھی ایسے فارم پر دستخط کرنے سے پہلے اس کے قانونی اثرات ضرور سمجھیں۔ اپنے پیاروں کی واپسی کا مطالبہ کریں، کیس بند کرنے کی بجائے حقیقت سامنے لانے کا مطالبہ کریں۔ جبری گمشدگی کسی ایک خاندان کا مسئلہ نہیں، یہ پورے معاشرے کے ضمیر کا امتحان ہے۔ آج اگر ہم خاموش رہے تو کل کسی اور گھر کا چراغ بھی اسی اندھیرے میں گم ہو سکتا ہے۔

(مسعود شاہ)

لاپتہ افراد کے لیے احتجاجی ریلی

خیبر ضلع خیبر کے لنڈی کوتل بازار میں باچا خان چوک پر پشتون تحفظ موومنٹ (پی ٹی ایم) اور ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کے زیر اہتمام لاپتا افراد کے عالمی دن کے موقع پر احتجاجی ریلی کا انعقاد کیا گیا۔ احتجاجی ریلی میں پشتون تحفظ موومنٹ کے آفتاب شینواری، گل بہادر آفریدی اور اسرار شینواری جبکہ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی جانب سے شکور آفریدی، مسعود شاہ، منظور آفریدی اور گل رئیس آفریدی نے شرکت کی۔ اس موقع پر مقررین نے مطالبہ کیا کہ ملک بھر اور قبائلی اضلاع سے لاپتا افراد کو فوری طور پر بازیاب کرایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ لاپتا افراد کے خاندان شدید ذہنی اذیت اور کرب میں مبتلا ہیں، اس لیے حکومت اور متعلقہ ادارے اس معاملے کا فوری نوٹس لیں۔ شرکا نے کہا کہ لاپتا افراد کی بازیابی اور ان کے اہل خانہ کو انصاف کی فراہمی کے لیے ہر فورم پر آواز اٹھائی جائے گی۔

(نامہ نگار)

بچے

معذوری سے متاثرہ طالب علم سے مبینہ زیادتی

سانگھڑ پیرو مل تھانے کی حدود میں واقع گاؤں لوہارڑو میں چوتھی جماعت کے 11 سالہ طالب علم عبداللہ شر کے ساتھ مبینہ جنسی زیادتی کا افسوسناک واقعہ سامنے آیا ہے۔ متاثرہ بچے کے والد شوکت علی شر اور دیگر اہل خانہ کے مطابق مبینہ واقعہ تین روز قبل پیش آیا، تاہم بچہ بولنے اور سننے کی صلاحیت سے محرومی کے باعث فوری طور پر اپنے والدین کو واقعے کے بارے میں آگاہ نہ کر سکا۔ ورثاء کا کہنا ہے کہ بچہ خوف اور ذہنی دباؤ کے باعث تقریباً دو روز تک خاموش رہا، بعدازاں اس نے اپنی والدہ کو اشاروں کے ذریعے واقعے سے آگاہ کیا۔ اہل خانہ نے بچے کی جانب سے دی گئی معلومات اور شناخت کی بنیاد پر پولیس سے رابطہ کیا، ورثاء نے الزام عائد کیا بچے نے رحیم بخش شر، علی محمد شر اور ایک نامعلوم شخص کی نشاندہی کی ہے۔ والد کا الزام ہے کہ ملزمان بچے کو مبینہ طور پر اسلحے کے زور پر قریبی کھیت میں لے گئے، جہاں اس کے ساتھ جنسی زیادتی کی گئی۔ واقعے کی اطلاع ملنے کے بعد پولیس نے ابتدائی طور پر متاثرہ بچے کے والد کی فریاد پر تین افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا جبکہ مزید قانونی کارروائی کے لیے تحقیقات شروع کر دی گئیں۔ پیرو مل پولیس کی جانب سے متاثرہ بچے کو طبی معائنے کے لیے ڈسٹرکٹ اسپتال منتقل کیا گیا، جہاں ڈاکٹرز نے بچے کا طبی معائنہ کیا، حکام کے مطابق میڈیکل رپورٹ مکمل ہونے اور متعلقہ ٹیسٹوں کے نتائج سامنے آنے کے بعد ہی مبینہ زیادتی کی تصدیق یا تردید کے حوالے سے حتمی طبی رائے اور سرٹیفکیٹ جاری کیا جائے گا، دوسری جانب واقعے کی اطلاع ملنے پر اسپیشل ایجوکیشن اسکول کے پرنسپل عباس لغاری بھی اعلیٰ حکام کی ہدایات پر اسپتال پہنچے اور متاثرہ بچے اور اس کے اہل خانہ سے ملاقات کر کے صورتحال کے بارے میں معلومات حاصل کیں، اس موقع پر عباس لغاری نے واقعے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ خصوصی بچے کے ساتھ مبینہ زیادتی کا واقعہ انتہائی افسوسناک ہے، واقعے کی مکمل تحقیقات کر کے ذمہ دار افراد کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جانی چاہیے، عباس لغاری کا کہنا تھا کہ خصوصی بچوں کے تحفظ کو ہر صورت یقینی بنانا ضروری ہے اور ایسے واقعات کو کسی بھی صورت برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے پولیس کے اعلیٰ حکام سے مطالبہ کیا کہ واقعے میں ملوث مبینہ ملزمان کو فوری گرفتار کر کے شفاف تحقیقات کی جائیں اور متاثرہ بچے کو انصاف فراہم کیا جائے، متاثرہ بچے کے والد اور دیگر ورثاء نے بھی ڈی آئی جی اور ایس ایس پی سانگھڑ سے فوری اور سخت کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ ورثاء کا کہنا ہے کہ وہ اپنے بچے کے لیے انصاف چاہتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر تحقیقات میں ملزمان ملوث ثابت ہوں تو ان کے خلاف قانون کے مطابق سخت کارروائی کی جائے۔ پولیس حکام کے مطابق واقعے کی مختلف پہلوؤں سے تحقیقات جاری ہیں۔ متاثرہ بچے کی میڈیکل رپورٹ حاصل کی جا رہی ہے اور شواہد و تحقیقات کی روشنی میں مزید قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔ پولیس کا مزید کہنا ہے کہ مقدمے اور گرفتاریوں کے حوالے سے حتمی پیش رفت تحقیقات اور دستیاب شواہد کی بنیاد پر کی جائے گی۔

(ابراہیم خلجی)

16 سالہ طالبعلم کا قتل

پشاور پشاور کے علاقے شاہ پور میں 16 سالہ طالبعلم کو مبینہ طور پر پھانسی دے کر قتل کرنے اور اس کا رکشہ لے کر فرار ہونے کے واقعے نے ایک غریب خاندان کو شدید صدمے سے دوچار کر دیا ہے۔ پولیس کو مقتول کے والد (م) ولد (ح)، سکنہ وڈپگہ، نے بتایا کہ ان کا 16 سالہ بیٹا (م ب) دسویں جماعت کا طالبعلم تھا اور حال ہی میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ وہ روزانہ شام تقریباً چار بجے والد کا رکشہ لے کر مزدوری کے لیے نکلتا اور عموماً مغرب کے بعد واپس گھر آ جاتا تھا۔ واقعے کے روز نوجوان رات گئے تک گھر واپس نہیں آیا تو اہل خانہ نے اس کی تلاش شروع کی اور مختلف تھانوں سے رابطہ کیا۔ بعدازاں شاہ پور پولیس سے معلوم ہوا کہ عباس ٹاؤن، گھڑی بلوچ کے علاقے میں نامعلوم افراد نے مبینہ طور پر اس کے گلے میں پھندا ڈال کر اسے قتل کر دیا اور رکشہ لے کر فرار ہو گئے۔ خاندان کے مطابق مقتول کے والد ایک مزدور ہیں اور کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ گھر کا چولہا جلانے کے لیے انہوں نے قرض لے کر رکشہ خریدا تھا۔ بیٹا دن میں تعلیم حاصل کرتا اور شام کے دو سے تین گھنٹے رکشہ چلا کر والد کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ والد کا کہنا ہے کہ ان کا خاندان غریب اور محنت مزدوری کرنے والا ہے اور کسی کے ساتھ ان کی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ یہ واقعہ اس تلخ حقیقت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے کہ غربت کے باعث کئی بچے تعلیم کے ساتھ ساتھ کم عمری میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ایک طرف خاندان اپنے بچوں کو بہتر مستقبل دینے کے لیے تعلیم دلانے کی کوشش کرتے ہیں، دوسری طرف معاشی حالات انہیں روزگار میں ہاتھ بٹانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس معاملے میں سب سے اہم ذمہ داری پولیس پر عائد ہوتی ہے کہ قتل کے محرکات معلوم کیے جائیں، رکشے اور دیگر شواہد کی بنیاد پر ملزمان کا سراغ لگایا جائے اور انہیں قانون کے مطابق گرفتار کیا جائے۔ جائے وقوعہ سے فرانزک شواہد، ممکنہ سی سی ٹی وی فوٹیج اور مقتول کی آخری نقل و حرکت کی مکمل تفتیش اس کیس میں اہم ثابت ہو سکتی ہے۔ تاہم ملزمان کی شناخت اور قتل کی وجہ سامنے آنے تک کسی فرد یا گروہ کو ذمہ دار قرار دینا قبل از وقت ہوگا۔ ایک غریب خاندان نے قرض لے کر روزگار کا ذریعہ بنایا، اپنے بچے کو تعلیم دلوائی اور امید کی کہ وہ مستقبل میں خاندان کا سہارا بنے گا۔ اس نوجوان کا قتل نہ صرف ایک قیمتی زندگی کا خاتمہ ہے بلکہ اس خاندان سے اس کے معاشی سہارے کا چھن جانا بھی ہے۔ حکام کے لیے ضروری ہے کہ مقتول کے خاندان کو انصاف کی فراہمی کے ساتھ ساتھ کم عمر محنت کش بچوں کے تحفظ، نگرانی اور شہری علاقوں میں جرائم کی روک تھام کے لیے بھی مؤثر اقدامات کریں۔ حسنین 3 ماہ قبل شمالی وزیرستان کے شیواہ، ملک شاہی علاقے میں واقع مومین چیک پوسٹ کے اردگرد پاکستانی فوج کے مبینہ طور پر بچھائی گئی لینڈ مائن کا شکار ہو کر دونوں ہاتھوں اور ایک آنکھ سے محروم ہو گیا۔ حسنین اس عمر میں تھا جب بچے تعلیم حاصل کرتے، کھیلتے اور اپنے مستقبل کے خواب دیکھتے ہیں، مگر پاکستانی فوج کے ایک دھماکے نے اس کی پوری زندگی ہمیشہ کے لیے بدل دی۔ لینڈ مائن کے اس حادثے نے اسے نہ صرف جسمانی طور پر معذور کر دیا بلکہ اب اسے پوری زندگی بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حسنین کی دردناک کہانی ایک بار پھر یہ حقیقت سامنے لاتی ہے کہ پاکستانی فوج کے جنگوں اور بارودی سرنگوں سمیت بارودی مواد کا سب سے زیادہ خمیازہ عام شہریوں، بالخصوص معصوم بچوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

(مسعود شاہ)

تعلیم

سکول خستہ حالی کا شکار

باڑہ ملک دین خیل نالہ میں واقع گورنمنٹ گرلز ہائی سکول غازی گل کی عمارت 2011 کی بدامنی کے دوران متاثر ہونے کے 15 سال بعد بھی خستہ حالی کا شکار ہے، جبکہ سکول میں 630 سے زائد طالبات زیرِ تعلیم ہیں اور تدریسی عملے کی تعداد بھی طالبات کی تعداد کے مقابلے میں ناکافی ہے۔ ذرائع کے مطابق سکول کے پرائمری سیکشن میں تقریباً 400 جبکہ ہائی سکول سیکشن میں 230 سے زائد طالبات زیر تعلیم ہیں۔ پورے سکول کے لیے مجموعی طور پر صرف 9 خواتین اساتذہ تعینات ہیں، جو طالبات کی موجودہ تعداد کے لیے ناکافی قرار دی جا رہی ہیں۔ مقامی ذرائع کے مطابق 2011 میں بدامنی کے دوران سکول کی عمارت کی دیواریں، کمرے اور ہال متاثر ہوئے تھے، جبکہ متعدد کمروں کے دروازے بھی موجود نہیں ہیں۔ عمارت کی خستہ حالی کے باعث طالبات کو شدید گرمی اور سردی میں بھی مشکلات کا سامنا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ 2011 میں تباہ ہونے والے بعض سکولوں کی تعمیر چین کے تعاون سے دوبارہ کی گئی، جبکہ غازی گل گرلز ہائی سکول کی تعمیر کے لیے ٹینڈر بھی جاری ہونے کی اطلاعات ہیں، تاہم طویل عرصہ گزرنے کے باوجود عملی طور پر تعمیراتی کام شروع نہیں کیا جا سکا۔ والدین اور مقامی افراد نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ خستہ حال عمارت میں بچیوں کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا کسی بڑے حادثے کے خطرے سے خالی نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سکول سے فارغ التحصیل کئی طالبات آج یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہیں، تاہم افسوسناک امر یہ ہے کہ خود سکول بنیادی سہولیات اور محفوظ عمارت سے محروم ہے۔ والدین اور علاقہ مکینوں نے وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا سہیل آفریدی، محکمہ تعلیم خیبر، ایم این اے اقبال آفریدی اور ڈیڈک چیئرمین عبدالغنی آفریدی سے مطالبہ کیا ہے کہ غازی گل گرلز ہائی سکول کی تعمیر و مرمت کا کام فوری طور پر شروع کیا جائے، عمارت کو محفوظ بنایا جائے اور طالبات کی تعداد کے مطابق مزید خواتین اساتذہ کی تعیناتی بھی یقینی بنائی جائے تاکہ بچیوں کو محفوظ اور بہتر تعلیمی ماحول فراہم ہو سکے۔

(مسعود شاہ)

میٹرک کے بعد اعلیٰ تعلیم سے محروم ہونے کا خدشہ

باڑہ ضلع خیبر میں ہر سال تقریباً 6 ہزار طلبہ و طالبات میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد کالج کی سطح پر پہنچتے ہیں، تاہم مالی مشکلات کے باعث بڑی تعداد میں طلبہ اعلیٰ تعلیم جاری رکھنے سے محروم رہ جاتی ہے۔ حکومت، مخیّر حضرات، سول سوسائٹی، این جی اوز اور دیگر تمام اسٹیک ہولڈرز طلبہ کے مستقبل کو محفوظ بنانے کے لیے تعلیمی اداروں میں داخلوں، فیس اور بالخصوص ہاسٹل کے اخراجات میں تعاون کریں۔ ان خیالات کا اظہار قمبر سٹوڈنٹس سوسائٹی کے نمائندہ سعود آفریدی نے باڑہ پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ ضلع خیبر کے دور دراز علاقوں سے تعلق رکھنے والے ذہین اور باصلاحیت طلبہ میٹرک کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے پشاور سمیت خیبر پختونخوا کے مختلف شہروں کا رخ کرتے ہیں، جہاں انہیں داخلے کے ساتھ ساتھ رہائش اور دیگر اخراجات کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سعود آفریدی نے کہا کہ قمبر سٹوڈنٹس سوسائٹی نے اپنی مدد آپ کے تحت ضلع خیبر کے تقریباً ایک ہزار طلبہ کو خیبر پختونخوا کے مختلف کالجز میں داخلے دلوانے میں کردار ادا کیا ہے۔ یہ ایک بڑی کامیابی ہے، تاہم اب ان طلبہ کو کالجز میں تعلیم جاری رکھنے کے لیے ہاسٹل، کھانے پینے اور دیگر بنیادی اخراجات کی ضرورت ہے، جس کے لیے سوسائٹی کو شدید مشکلات درپیش ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صرف داخلہ دلوانا کافی نہیں، بلکہ غریب اور مستحق طلبہ کو تعلیم مکمل کرنے تک سہولت فراہم کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر طلبہ کو داخلے کے بعد رہائش اور دیگر اخراجات کے لیے مالی مشکلات کا سامنا رہا تو خدشہ ہے کہ متعدد طلبہ تعلیم ادھوری چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ انہوں نے خیبر پختونخوا حکومت، محکمہ ہائر ایجوکیشن، ضلعی انتظامیہ، منتخب نمائندوں، مخیّر حضرات، فلاحی تنظیموں، این جی اوز، سول سوسائٹی اور دیگر متعلقہ اداروں سے اپیل کی کہ ضلع خیبر کے طلبہ کے لیے خصوصی تعلیمی معاونت پروگرام شروع کیا جائے، جس کے تحت مستحق طلبہ کی کالج فیس، ہاسٹل، کتابوں اور دیگر ضروری اخراجات میں مدد کی جائے۔

سعود آفریدی نے کہا کہ ضلع خیبر کے نوجوان ملک اور صوبے کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ اگر انہیں تعلیم کے مواقع فراہم کیے جائیں تو یہی نوجوان مستقبل میں ڈاکٹرز، انجینئرز، اساتذہ، وکلا، افسران اور دیگر شعبوں کے ماہرین بن کر علاقے اور ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہر سال تقریباً چھ ہزار طلبہ و طالبات کا میٹرک کے بعد اعلیٰ تعلیم کی طرف سفر شروع ہوتا ہے، اس لیے حکومت اور تمام متعلقہ اداروں کو اس معاملے کو انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی اور مستقبل کے مسئلے کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ضلع خیبر کے طلبہ کے لیے سرکاری کالجز میں خصوصی کوٹہ، وظائف اور ہاسٹل کی سہولیات میں اضافہ کیا جائے جبکہ نجی شعبے اور مخیّر حضرات بھی مستحق طلبہ کی کفالت کے لیے آگے آئیں۔ سعود آفریدی نے کہا کہ قمبر سٹوڈنٹس سوسائٹی طلبہ کی تعلیمی رہنمائی اور داخلوں کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھے گی، تاہم ایک ہزار سے زائد طلبہ کے ہاسٹل اور دیگر اخراجات اکیلے سوسائٹی کے لیے برداشت کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے تمام اسٹیک ہولڈرز کو مل کر اس مسئلے کا مستقل حل نکالنا ہوگا تاکہ ضلع خیبر کا کوئی بھی مستحق طالب علم صرف مالی مشکلات کی وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہے۔

(مسعود شاہ)

خیبر پختونخوا کے سینکڑوں سرکاری سکول غیر فعال

پشاور خیبر پختونخوا میں 627 سرکاری سکول غیر فعال ہیں، جن میں سے 226 سکول صرف اساتذہ کی عدم دستیابی کے باعث بند ہیں۔ محکمہ تعلیم خیبر پختونخوا کی سالانہ سکول سنسز رپورٹ کے مطابق سب سے زیادہ 411 غیر فعال سکول ضم شدہ اضلاع میں ہیں، جبکہ سیٹلڈ اضلاع میں 216 سرکاری سکول غیر فعال ہیں۔ رپورٹ کے مطابق 66 سرکاری سکول طلبہ نہ ہونے جبکہ 28 سکول تنازعات کے باعث غیر فعال ہیں۔ 11 سرکاری سکولوں پر غیر قانونی قبضے کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق شمالی وزیرستان 111 غیر فعال سکولوں کے ساتھ سرفہرست ہے، جبکہ جنوبی وزیرستان اپر میں 99 اور اپر کوہستان میں 68 سرکاری سکول غیر فعال ہیں۔ رپورٹ کے مطابق کرم میں 53، ایس ڈی وزیر بنوں میں 45، بنوں میں 44، لوئر کوہستان میں 29 اور خیبر میں 27 سرکاری سکول غیر فعال ہیں۔ اسی طرح ہنگو میں 16، بٹگرام میں 13، مانسہرہ میں 7، ٹانک میں 6، پشاور میں 5، چارسدہ اور سوات میں 4، شانگلہ میں 3 جبکہ لکی مروت اور نوشہرہ میں 2، 2 سرکاری سکول غیر فعال ہیں۔ مردان، کرک، کوہاٹ اور صوابی میں ایک، ایک سرکاری سکول غیر فعال ہے۔

(نامہ نگار)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

عوام کو مشکلات کا سامنا

نوشکی نوشکی میں 4 اگست سے تمام مالیاتی ادارے سکیورٹی خدشات کے پیش نظر 31 اگست تک بند کر دیئے گئے ہیں۔ مالیاتی اداروں کی طویل بندش کی وجہ سے ملازمین، پینشنرز، کاروباری حلقوں، تاجر برادری اور دیگر صارفین کو تنخواہوں اور پینشن کے حصول، رقم کے لین دین کے سلسلے میں انتہائی مشکلات کا سامنا اور وقت کے ضیاع سے دو چار ہونا پڑ رہا ہے۔ مالیاتی اداروں کی بندش نے شہریوں کی مشکلات اور پریشانیوں میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ نوشکی کے شہریوں نے انسانی حقوق کی تنظیموں سے ان ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اپنا موثر کردار ادا کریں۔ شہریوں کو بنیادی سہولیات کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے۔ ریاست کو اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ (محمد سعید)

مریضوں کو مشکلات کا سامنا

نوشکی نوشکی میں مالیاتی اداروں کی بندش سے ملازمین، پینشنرز تاجر برادری اور کاروباری حلقوں کو رقم کے لین دین کے سلسلے میں انتہائی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ معمولات زندگی بری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ دوسری جانب نوشکی میں بڑی تعداد میں رکاوٹیں بنا کر سڑکوں اور گلیوں کو بند کرنے سے بھی نوشکی کے شہریوں کو آمدرفت اور ایمرجنسی کی صورت میں ہسپتال تک رسائی میں کافی پریشانیوں سے دو چار ہونا پڑ رہا ہے۔ میر گل خان نصیر ٹیچنگ ہسپتال کے قریب بھی سڑک بند کر دی گئی ہے جس سے مریضوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ عوام کی مشکلات اور دشواریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے شہریوں کو بہتر سہولیات کی فراہمی عمل میں لانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ پاک ایران قومی شاہراہ این 40 سے بھی رکاوٹیں ہٹائی جائیں۔ رکاوٹوں اور غیر ضروری چیک پوسٹوں کی وجہ سے ڈھائی گھنٹے کا سفر چار سے پانچ گھنٹوں میں طے ہوتا ہے۔ موسم بھی کافی گرم ہے جس کی وجہ سے مسافروں کو مشکلات پیش آتی ہیں۔ جس سے وقت کا ضیاع، ایمرجنسی مریضوں کو بروقت طبی امداد کی رسائی میں تاخیر، زرعی اجناس خراب ہونے کی وجہ سے زمین داروں کو مالی مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ نوشکی کے عوامی، سماجی، سیاسی حلقوں، ٹرانسپورٹروں اور زمین داروں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ عوام کو بہتر سہولیات کی فراہمی کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ ایسی رکاوٹیں انسانی حقوق کے خلاف ورزیوں کے زمرے میں آتی ہیں۔ ریاستی ادارے عوام کو بہتر سہولیات کی فراہمی پر توجہ دیں۔

(محمد سعید)

قبائلی نوجوان کی سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں مبینہ ہلاکت

راولپنڈی راولپنڈی مال روڈ پر ایک قبائلی نوجوان کی سکیورٹی فورسز کے ہاتھوں مبینہ ہلاکت کا واقعہ انتہائی افسوسناک اور تشویشناک ہے۔ ہم حکومتِ وقت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس واقعے کی شفاف، غیر جانب دار اور مکمل تحقیقات فوری طور پر کی جائیں۔ سکیورٹی فورسز کی جانب سے مؤقف سامنے آیا ہے کہ نوجوان نے پہلے فائرنگ کی، جس کے نتیجے میں سکیورٹی فورسز کا ایک اہلکار بھی زخمی ہوا۔ اگر یہ دعویٰ درست ہے تو مال روڈ جیسے اہم مقام پر موجود سی ٹی وی کیمروں کی ریکارڈنگ اس واقعے کی حقیقت واضح کرنے کے لیے اہم ثبوت ثابت ہو سکتی ہے۔ لہٰذا حکومت اور متعلقہ اداروں سے ہمارا مطالبہ ہے کہ واقعے سے متعلق تمام دستیاب سی سی ٹی وی فوٹیج محفوظ کی جائے اور شفاف تحقیقات کے بعد اسے میڈیا اور عوام کے سامنے پیش کیا جائے، تاکہ حقائق سامنے آسکیں اور کسی بھی فریق کے بارے میں قیاس آرائیوں کا خاتمہ ہو۔ ہم یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ واقعے کی مکمل تحقیقات کسی غیر جانب دار ادارے کے ذریعے کرائی جائیں، زخمی اہلکار اور جاں بحق نوجوان سے متعلق تمام شواہد سامنے لائے جائیں اور اگر کسی بھی جانب سے قانون کی خلاف ورزی ثابت ہو تو ذمہ داروں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔ ریاستی اداروں پر عوام کا اعتماد اسی وقت مضبوط ہوگا جب ایسے واقعات میں شفافیت، قانون اور انصاف کو یقینی بنایا جائے۔

(منظور آفریدی)

تیراہ متاثرین کا مشترکہ گرینڈ آفریدی دھرنا

باڑہ تفصیلات کے مطابق تحریک متاثرین تیراہ کے زیر اہتمام باڑہ پریس کلب میں منعقدہ گرینڈ مشاورتی جرگہ میں تمام تیراہ متاثرین، تیراہ قومی مشرانِ باڑہ و تیراہ سیاسی اتحاد، تیراہ تاجر یونین، قومی کونسل، زوان اتحاد کے 80 رکنی کمیٹی کے نمائندوں نے شرکت کی۔ گرینڈ مشاورتی جرگہ میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ تیراہ 24 رکنی کمیٹی کے حکومت کے ساتھ طے شدہ معاہدے کے تحت 37 نکاتی مطالبات پر فوری عملدرآمد، خالی مکانات و بازاروں کی مسماری، سڑکوں اور چیک پوسٹوں کے لیے اراضی کے حصول کا معاوضہ، شہداء و زخمیوں کے پیکیج، مالی امداد اور تیراہ متاثرین کی باعزت و محفوظ واپسی کے مطالبات کے لیے 25 اگست 2026ء کو باڑہ میں وزیر اعلیٰ سیکرٹریٹ کے سامنے مشترکہ گرینڈ آفریدی دھرنا دیا جائے گا۔ جرگہ میں اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ تیراہ متاثرین کے حقوق کے حصول اور تمام مسائل کے حل کے لیے تیراہ 24 رکنی کمیٹی کو دوبارہ 23 اگست کو تحریک متاثرین تیراہ کے احتجاجی کیمپ میں بلایا جائے گا تاکہ کمیٹی کے اراکین، متاثرین اور سیاسی و سماجی اور قومی مشران مشترکہ طور پر مالی امداد، شہداء و زخمیوں کے پیکیج، مسمار شدہ گھروں و بازاروں کے نقصانات اور واپسی کے معاملے پر مؤثر کردار ادا کر سکیں۔ گرینڈ مشاورتی جرگہ میں تحریک متاثرین تیراہ اور قومی مشران نے واضح کیا کہ 25 اگست کا مشترکہ گرینڈ آفریدی دھرنا ہر صورت منعقد ہوگا اور مطالبات کے حصول تک جدوجہد جاری رکھی جائے گی۔ تحریک متاثرین تیراہ نے تمام متاثرینِ تیراہ، قومی مشران، سیاسی و سماجی کارکنان، تاجر برادری اور آفریدی قوم کے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ 25 اگست کو باڑہ وزیر اعلیٰ سیکرٹریٹ کے سامنے ہونے والے گرینڈ دھرنے میں بھرپور شرکت کر کے تیراہ متاثرین کے جائز حقوق کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

(منظور آفریدی)

سزا پوری کرنے والے قیدیوں کا رہائی نہ ملنے پر احتجاج

پشاور سینٹرل جیل پشاور میں سزا پوری کرنے والے قیدیوں کی جانب سے مبینہ احتجاج اور بھوک ہڑتال کے بعد جیل کے اعلیٰ حکام نے قیدیوں کے جائز اور قانونی مطالبات حل کرنے کے لیے 10 روز کی مہلت مانگ لی۔ ذرائع کے مطابق قیدیوں نے صوبائی حکومت کی جانب سے سزاؤں میں رعایت کے فیصلے کے باوجود تاحال رہائی نہ ملنے اور مبینہ امتیازی سلوک کے خلاف احتجاج اور بھوک ہڑتال شروع کی تھی۔ احتجاج کرنے والے قیدیوں کا مؤقف تھا کہ جو قیدی اپنی سزا مکمل کر چکے ہیں، انہیں قانونی تقاضے پورے ہونے کے بعد مزید جیل میں رکھنا ان کے لیے شدید تشویش کا باعث ہے۔ قیدیوں نے چیف جسٹس سمیت اعلیٰ حکام سے اپیل کی کہ ان کے جائز مطالبات کا نوٹس لیتے ہوئے انہیں قانونی حقوق فراہم کیے جائیں اور سزا مکمل کرنے والے قیدیوں کی رہائی کے معاملے میں مبینہ تاخیر ختم کی جائے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ احتجاج کے بعد جیل کے اعلیٰ حکام نے قیدیوں کو یقین دہانی کرائی ہے کہ 10 دن کے اندر ان کے جائز مطالبات کا جائزہ لے کر قانونی پیچیدگیاں دور کرنے اور تمام قانونی تقاضے مکمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ قیدیوں کی جانب سے حکام کی یقین دہانی کے بعد معاملے میں پیش رفت کی امید پیدا ہو گئی ہے، تاہم سزا مکمل کرنے والے قیدیوں کی رہائی اور سزاؤں میں رعایت کے فیصلے پر عمل درآمد کے حوالے سے حتمی صورتحال آئندہ چند روز میں واضح ہونے کا امکان ہے۔ (منظور آفریدی)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			
10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثرورسوخ	
11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				
رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع	

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آ سکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ' کر کے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1: تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔

دفعہ -2: ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلیٰ کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔

دفعہ - 3: ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 4: کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔

دفعہ - 5: کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔

دفعہ - 6: ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔

دفعہ - 7: قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔

دفعہ - 8: ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، با اختیار قومی عدالتوں سے موئثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔

دفعہ - 9: کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 10: ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔

دفعہ - 11: (1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جا سکی ہوں۔

(2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔

دفعہ - 12: کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط و کتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔

دفعہ - 13: (1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل و حرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

دفعہ - 14: (1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

(2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔

دفعہ - 15: (1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔

(2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔

دفعہ - 16: (1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

(2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔

(3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔

دفعہ - 17: (1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ - 18: ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

دفعہ - 19: ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔

دفعہ - 20: (1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔

(2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

دفعہ - 21: (ا) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

(3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

دفعہ - 22: معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشو نما کے لیے لازم ہیں۔

دفعہ - 23: (1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

دفعہ - 24: ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔

دفعہ - 25: (1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہءقدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔

(2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

دفعہ - 26: (1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادي درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشو نما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

دفعہ - 27: (1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

دفعہ - 28: ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہو سکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔

دفعہ - 29: (1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشو و نما ممکن ہے۔

(2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔

(3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جا سکتیں۔

دفعہ - 30: اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جا سکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35838341-35864994 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

ادارتی بورڈ
مدیر: ندیم عباس
اراکین: عدیل احمد، اسرار الدین اسرار، سمیتا عالم

کمپوزر:
جمال احمد
سید رضا شاہ